تالیف

استاذ القراء و المجودین
حضرت مولانا قاری سید محمد سلیمان دیوبندیؒ
سابق صدر شعبہ تجوید وقرآءت مظاہر العلوم سہارنپور

تصحیح

قاریِ نجم الصّبیح التھانوی

فوائد مرضیہ

شرح

المقدمۃ الجزریہ

تالیف

استاذ القراء و المجودین

حضرت مولانا قاری سید محمد سلیمان دیوبندیؒ

سابق صدر شعبہ تجوید وقرآءت مظاہر العلوم سہارنپور

تصحیح

قاری نجم الصبیح تھانوی

28- الفضل مارکیٹ 17- اُردو بازار- لاہور

Ph.: 042 - 712 24 23
Mob: 0300 - 4785910

انتباہ

نام کتاب ------ فوائد مرضیہ شرح مقدمۃ الجزریۃ

مؤلف ------ قاری محمد سلیمان دیوبندیؒ

طابع وناشر ------ قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور

کمپوزنگ ------ یونیک گرافکس اردو بازار لاہور۔

سرورق ڈیزائن ------ 0300-4240141

عرض ناشر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العلمين و الصلوة و السلام على سيد المرسلين و على اله و اصحابه اجمعين.

الحمد للہ المقدمۃ الجزریہ کی ایک مایہ ناز اور قابل قدر شرح فوائد مرضیہ دیدہ زیب اور خوبصورت انداز میں چھپ کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت شارح استاذ القراء مولانا قاری سید محمد سلیمان دیوبندیؒ سابق صدر شعبہ تجوید و قراءات مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کی شخصیت اور آپ کی یہ شرح دونوں علمی حلقوں میں تعارفِ محتاج نہیں ہیں۔ اسی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر یہ شرح چھاپی گئی ہے۔ اس سے قبل شرح مذکور اغلاط سے پُر اور ناقص حالت میں چھپ رہی تھی برادر عزیز قاری نجم الصبیح التھانوی سلمہ کی تصحیح سے اب قرآءتؔ اکیڈمی (رجسٹرڈ) اس کو طبع کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ طالبین فن کے لیے استفادے کا ذریعہ بنائے اور شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

والسلام علیکم

عزیز احمد تھانوی

مدیر قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور

مختصر حالات

شیخ القراء حضرت قاری محمد سلیمان صاحب دیوبندیؒ

حضرت شیخ القراء مولانا قاری المقری محمد سلیمان صاحب ابن منشی فضل حق دیوبندیؒ۔ آپ کی ولادت محلہ قاضی دیوبند میں ۱۳۲۰ھ میں ہوئی۔

عربی تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ القراء حضرت مولانا قاری ضیاء الدین احمد صاحب صدیقی الہٰ آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر تجوید کی مشق کی اور قرآءت سبعہ کی تکمیل ۱۳۴۱ھ میں کی۔

قرآءت کی تحصیل و تکمیل کے بعد استاد صاحبؒ کے ارشاد پر مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں مثلاً کاٹھیاواڑ (گجرات) شملہ اور اس کے بعد نگینہ بجنور میں کئی سال تک درس دیا۔

۲ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں تشریف لائے اور یہاں شیخ التجوید رہے۔

مظاہر علوم سہارنپور میں آپ نے مسلسل پینتیس (۳۵) سال علم تجوید و قرآءت کی زریں خدمات انجام دیں' آپ نے یہاں بڑے والہانہ انداز میں جذبۂ اخلاص سے معمور نہایت محنت اور لگن سے خدمت قرآن کی جس کے نتیجے میں سینکڑوں طلبہ نے علم و فن میں اکتساب فیض کیا اور آپ کے فیض سے بہترین معلم قرآءت بن گئے' ملک کے ہر خطے اور گوشے میں آپ کے بڑے لائق تلامذہ آپ کے کام اور نام کو روشن کیے ہوئے ہیں۔ آپ ایک جید قاری اور اچھے مؤلف تھے۔ جہیر الصوت تھے اور حجازی لہجوں میں پڑھتے تھے۔

آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے جناب قاری المقری مولانا رضوان نسیم صاحب مدظلہ جو اپنے والد کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں شیخ التجوید ہیں اور مولانا قاری عاشق الہٰی

صاحب بلند شہریؒ قابل ذکر ہیں۔

حضرت قاری محمد سلیمان صاحبؒ صرف ماہر فن معلم و مدرس ہی نہ تھے بلکہ تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی آپ نے تشنگان علم وفن کی سیرابی کا سامان کیا۔ ذیل میں آپ کی مفید اور بیش قیمت تصانیف کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) حاشیہ ''خلاصۃ البیان'' (عربی): حضرت قاری ضیاء الدین احمد صدیقیؒ کی بے مثال تصنیف خلاصۃ البیان فی تجوید القرآن اپنے انداز بیان کے اعتبار سے عجیب وغریب کتاب ہے اور ایجاز واختصار کے باعث محتاج تشریح و بیان رہی ہے' حضرت مصنفؒ نے اخیر زمانے میں اس کی شرح خود بھی لکھنی شروع کی تھی مگر بینائی ختم ہو جانے کے باعث یہ شرح نا تمام رہی وہ نا تمام شرح حضرت قاری محب الدین صاحبؒ کے پاس تھی اگر وہ مکمل ہو جاتی تو ایک بڑی وقیع شرح سامنے آجاتی' حضرت قاری سلیمان صاحبؒ نے خلاصۃ البیان کتاب پر عربی میں ایک حاشیہ تحریر فرمایا وہ حاشیہ اتنا عمدہ تھا کہ حضرت مصنفؒ نے اسے نقل کرا کے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ یہ حاشیہ تا حال غیر مطبوعہ ہے صاحب زادۂ محترم اگر اسے حاصل کر کے طبع کرادیں تو شائقین اہل فن پر بڑا احسان ہوگا۔

(۲) فوائد مرضیہ شرح المقدمۃ الجزریہ (اردو): علامہ جزریؒ کے مشہور قصیدے کی مختصر مگر نہایت جامع شرح ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اور قصیدے کے حل کے لیے نہایت بیش قیمت سرمایہ ہے الحاج استاذ العلماء حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے اس کتاب کی تاریخ طبع کے لیے یہ شعر کہا ہے ؎

سامان آخرت ہے حقیقت میں یہ کتاب تاریخ بھی ہے اسلئے ''سامان آخرت''

۱۳۵۲

(۳) الجواہر الضیائیہ شرح شاطبیہ اردو: چھٹی صدی کی نابغہ روزگار شخصیت علامہ شاطبیؒ کے عدیم النظیر قصیدہ شاطبیہ فی القراءات السبع کی شروح ہر زمانے میں لکھی گئی ہیں مگر یہ شرح

گونا گوں اہم خصوصیات اور مفید معلومات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

(۴) ضیاء التجوید: ۱۳۵۵ھ میں یہ کتاب لکھی گئی ہے تجوید کے ضروری امور سے متعلق ایک مقبول کتاب ہے۔

(۵) رہنمائے تجوید المعروف بہ میزان التجوید: بطرز سوال و جواب جو اغلب الافادہ ہے بچوں کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کتاب لکھی ہے۔ آسان اور عام فہم ہے

۲۴ رمضان ۱۳۸۵ھ بروز سوموار کو علم وفن کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

☆☆☆

عرض شارح

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ علی نعمہ التی لا تحصٰی و الشکر لہ علٰی فضلہ الذی لا یستقطٰی و الصّلٰوۃ و السلام علی نبیہ الاوّاب و اٰلہ و اصحابہ المجودین للکتاب و التابعین لھم و تابعیھم باحسان الی یوم الماٰب ط

امابعد! احقر محمد سلیمان غفرلہ دیوبندی طالبان فن تجوید کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ایک زمانے سے دل میں یہ خیال تھا کہ ''مقدمۃ الجزری'' کی آسان عبارت میں بزبان اردو مختصر سی کوئی ایسی شرح لکھی جائے کہ متعلمین کو اس کے پڑھنے اور سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ مگر دن رات کی مصروفیت اتنی مہلت نہ دیتی تھی کہ شروع کروں۔ لیکن آخر کار بعض احباب کے اصرار نے مجھ کو لکھنے پر مجبور کیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر (کتب معتبرہ مثل ''المنح الفکریہ علیٰ متن مقدمۃ الجزریۃ'' از ملا علی قاریؒ اور شرح شیخ الاسلام زکریا الانصاریؒ وغیرہ سے اخذ کر کے) اس کام کو شروع کرتا ہوں اور اس رسالہ کا نام ''فوائد مرضیہ شرح مقدمۃ الجزریہ'' رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر مشتاقان فن کو اس سے نفع پہنچائے اور آخرت میں اس ناچیز سعی کو ذریعہ نجات بنائے۔ آمین ثم آمین واللہ الموفق و المعین.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور بہت رحم والا ہے

ش: ﴿قولہ﴾: بِسْمِ اللّٰہِ حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب کو قرآن کریم اور حدیث شریف کی اتباع کرتے ہوئے بسم اللہ سے شروع فرمایا ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ بِبِسْمِ اللّٰہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ بِحَمْدِ اللّٰہِ فَھُوَ اَقْطَعُ وَ اَبْتَرُ. (راوہ ابو داؤد وغیرہ) دراصل ابتداء کی تین قسمیں ہیں: ایک ابتدائے حقیقی۔ دوسری ابتدائے اضافی۔ تیسری ابتدائے عرفی۔

ابتدائے حقیقی کے یہ معنی ہیں کہ جو سب سے مقدم ہو۔ اور ابتدائے اضافی اس کو کہتے ہیں کہ جو بعض سے مقدم اور بعض سے مؤخر ہو۔ اور ابتدائے عرفی وہ کہ مقصود سے مقدم ہو۔ پس روایت بِسْمِ اللّٰہِ میں ابتدائے حقیقی اور روایت حمدلہ میں ابتدائے اضافی یا عرفی مراد ہے یا دونوں جگہ ابتدائے عرفی ہے۔ اب دو روایتوں میں جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا تھا وہ نہ رہا۔

﴿قولہ﴾: الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں رحمت سے مشتق اور حق تعالیٰ کے اسماء صفات میں سے ہیں اور دونوں میں یہ فرق ہے کہ رحمٰن خدا تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہے بحکم قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ بخلاف رحیم کے کہ اس کا اطلاق خدا کے غیر پر بھی جائز ہے اور رحمٰن کو رحیم پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ یہ زیادہ ابلغ ہے اور اس میں زیادتی حرف بھی ہے اور حرف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے جیسے قَطَعَ وَقَطَّعَ۔ دوسرے یہ کہ رحمٰن بمنزلہ علم کے ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی صفت واقع نہیں ہوتا ہے اور علم موصوف ہونے کی وجہ سے صفت پر مقدم ہوتا ہے۔

(1) يَقُوْلُ رَاجِيْ عَفْوِ رَبٍّ سَامِعِ
مُحَمَّدُ بْنُ الْجَزَرِيِّ الشَّافِعِيْ

ت: ''کہتا ہے امیدوار سننے والے پروردگار کی معافی کا۔ محمد بن جزری جو شافعی ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ يَقُوْلُ فعل مضارع کا صیغہ ہے اور اس کو اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ خطبہ الحاقیہ نہیں ہے بلکہ اصل مقدمہ پر مقدم ہے۔ اور اگر خطبہ کو الحاقیہ مانا جائے تو پھر اس کو حکایت حال ماضیہ پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ اس کی تائید بعض لوگوں کی تصانیف ماضیہ کے اوائل میں لفظ قَالَ کے ذکر کرنے سے ہوتی ہے۔

﴿قولہ﴾: رَاجِيْ معتل لام واوی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے واؤ کو بوجہ وقوع طرف اور ماقبل مکسور یا سے بدل لیا ہے پھر ضمہ کو بھی ثقل کی وجہ سے حذف کر دیا ہے۔

﴿قولہ﴾: عَفْوِ ترکیب میں راجی کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اگرچہ اپنے مابعد کے لحاظ سے مضاف بھی ہے، اور بعض نے جو اس کو اس وہم کی بنا پر کہ رَاجِيْ کا مفعول ہے منصوب پڑھا ہے ضعیف ہے۔ اسی طرح رَاجِيْ کے منون ماننے کی صورت میں اس کو منصوب پڑھنا بھی ضعیف اور خلاف قاعدۂ عربیہ ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب اسم فاعل مضاف معرف باللام ہو تو اس وقت اس کے مفعول کو تخفیفاً نصب دے سکتے ہیں لیکن جب وہ نکرہ ہو تو پھر اس کو نصب دینا ضعیف ہے جیسا کہ نحویوں نے اس کی تصریح کی ہے۔

﴿قولہ﴾: مُحَمَّدُ اس میں رفع و نصب دونوں جائز ہیں، رفع تو اس لئے کہ یہ رَاجِيْ سے بدل یا عطف بیان ہے، اور نصب بنا برتقدیر اَعْنِيْ یا يَعْنِيْ کے ہے۔ اور یہ حضرت مصنفؒ کا نام ہے، ان کی کنیت ابوالخیر اور لقب شمس الدین ہے، آپ کے والد کا نام بھی محمد بن محمد جزریؒ ہے۔ آپ شب شنبہ میں پچیس رمضان المبارک ۷۵۱ھ کو دمشق میں پیدا ہوئے تمام علوم وفنون حاصل کرنے کے بعد متعدد کتابیں علم قرآءت وحدیث وتفسیر وفقہ میں تصنیف وتالیف فرمائیں چنانچہ علم قرآءت میں الاہتداء فی الوقف والابتداء اور الطیبۃ منظوم اور مقدمۃ الجزری

وغیرہ آپ ہی کی تصنیفات میں سے ہیں۔ ❶ بہت عرصہ تک قرآن عزیز اور علوم شرعیہ کی خدمت انجام دیتے رہے، آخر کار بیاسی سال کی عمر میں ۵ ربیع الاول ۸۳۳ھ کو جمعہ کے دن دوپہر کے وقت شیراز میں وفات پائی اور مدرسہ دارالقرآن میں جو آپ ہی کا قائم کردہ تھا اور جس میں قرآن کریم اور قراءت کی تعلیم ہوتی تھی مدفون ہوئے (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)

﴿قولہ﴾ اَلْجَزَرِیُّ منسوب ہے جزیرۂ ابن عمر کی طرف جو بلاد شرق میں واقع ہے اور یہ ابن عمر صحابی نہیں ہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے بلکہ یہ عبدالعزیز بن عمر برقعیدی ہیں۔

﴿قولہ﴾ الشَّافِعِیُّ ترکیب میں اگر محمد کی صفت ہے تو مرفوع ہے اور اگر جزری کی صفت ہے تو مجرور ہے والثانی اقرب والاول انسب اور یہ نسبت ہے امام محمد بن ادریس بن شافع قرشی مطلبیؒ کی طرف یا مذہب امام کی طرف یعنی مصنفؒ یا تو بنی شافع کے قبیلہ سے ہیں یا وہ شافعی المذہب ہیں۔ وهو اقرب الى المرام وانسب فی هذا المقام۔

فائدہ: اگر کہا جائے کہ حضرت مصنفؒ کو بِسْمِ اللّٰهِ کے بعد حمد بیان کرنی چاہیے تھی جیسا کہ عام طور پر مصنفین کا یہی طریقہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم تجوید علوم نقلیہ سے ہے اور علوم نقلیہ میں جب تک ناقل اور قائل کا علم نہیں ہوتا ہے اس وقت تک اس کے منقولات اور اقوال کا شرعاً و عقلاً کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے اس لئے حضرت مصنفؒ نے سب سے پہلے اپنا نام و نشان ظاہر فرما دیا تا کہ آئندہ کلام ناقل کے لئے سند ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(2) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ
عَلٰى نَبِيِّهٖ وَمُصْطَفَاهُ

---

❶ علامہ جزریؒ نے اس کے علاوہ قراءات میں دیگر تصانیف بھی تحریر فرمائی ہیں جیسے (۱) النشر فی القراءات العشر (۲) مختصر تقریب النشر (۳) الدرۃ المضیہ (۴) تحبیر التیسیر (۵) منجد المقرئین (۶) التمہید فی علم التجوید (۷) غایۃ المہرۃ فی الزیادۃ علی العشرۃ (۸) القراءات الشاذۃ (۹) ہدایۃ المہرۃ فی تتمۃ العشرۃ (۱۰) التوجیہات فی اصول القراءات اور ادعیہ ماثورہ کی مشہور کتاب حصن حصین قابل ذکر ہیں۔ (قاری نجم الصبیح تھانوی عفی عنہ)

ت: ''تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور رحمت کاملہ نازل فرمائے اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور اپنے برگزیدہ رسول پر۔

ش: ﴿قولہ﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یہاں سے آخر کتاب تک تمام مقولہ قول ہے، اور اَلْحَمْدُ میں الف لام یا تو استغراق کا ہے یا جنس یا عہد کا ہے، اور ہر صورت میں حمد اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، غیر اللہ پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا ہے۔ اول صورت میں تو ظاہر ہے اور ثانی صورت میں اس لئے کہ للہ میں جو لام ہے وہ اختصاص کے لئے ہے، پس اور اس صورت میں حمد کا کوئی فرد بھی خدا کے غیر کے لئے باقی نہیں رہتا کیونکہ اگر باقی رہے گا تو اختصاص باطل ہو جائے گا اور ثالث میں اس وجہ سے کہ مراد اس سے وہ حمد ہوگی جو حق تعالیٰ نے بذات خود فرمائی اور انبیاء و اولیاء و اصفیاء نے کی، لہٰذا اس صورت میں بھی حمد کا کوئی فرد غیر خدا کے لئے باقی نہیں رہا۔

حمد کے لغوی معنی تعریف کرنا اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ بطریق تعظیم فعل اختیاری جمیل پر زبان سے تعریف کرنا عام اس سے کہ نعمت کے مقابلہ میں ہو یا نہ ہو۔ مدح کی بھی یہی تعریف ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں اختیاری کی قید نہیں ہے چنانچہ ''حمدت زیدا علی حلمہ و کرمہ'' کہہ سکتے ہیں، لیکن ''حمدت زیدا علی حسنہ'' نہیں کہہ سکتے ہیں۔ البتہ ''مدحت زیدا علی حسنہ'' کہہ سکتے ہیں۔ اور شکر کا اطلاق ہر ایسے فعل پر کیا جاتا ہے کہ جس سے اظہار تعظیم منعم بوجہ انعام قولاً و عملاً و اعتقاداً کسی طرح پر کیا جائے، پس شکر مورد کے لحاظ سے حمد و مدح سے عام ہے اور متعلق کے لحاظ سے خاص ہے اور مدح و حمد اس کے برعکس ہے اور مدح حمد سے عام ہے مطلقاً یعنی ان دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: حضرت مصنفؒ نے جو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کہا، احمدہ نہیں کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جملہ اسمیہ ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے اور جملہ فعلیہ حدوث پر، پس جس طرح کہ حق تعالیٰ کی ذات ابدی و ازلی ہے اسی طرح اس کی جملہ صفات بھی دائمی اور ابدی ہیں، فافہم

﴿قولہ﴾ صَلَّى اللّٰہُ اس کا عطف اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پر ہے اور یہ لفظاً خبر اور معنیً دعاء

ہے۔صلوٰۃ کی نسبت جب حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس کے معنی رحمت کے ہوتے ہیں اور جب ملائکہ کی طرف کی جاتی ہے تو بمعنی استغفار اور جب آدمیوں کی طرف ہوتی ہے تو اس کے معنی تضرع ودعاء خیر کے ہوتے ہیں۔

یہاں شیخ زکریاؒ نے حضرت مصنفؒ پر ایک اعتراض کیا ہے اور خود ہی اس کا جواب بھی دیا ہے' وہ یہ ہے کہ مصنفؒ کو صلوٰۃ کے ساتھ سلام بھی ذکر کرنا چاہیے تھا کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا میں صلوٰۃ کے ساتھ سلام بھی ذکر کیا ہے۔پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنا صحیح نہیں ہے۔بلکہ مکروہ ہے۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ شاید حضرت مصنفؒ نے زبانی کہہ لیا ہو۔لیکن حقیقت میں حضرت مصنفؒ کے نزدیک جمع بین الصلوٰۃ والسلام ضروری نہیں ہے' البتہ اولیٰ وافضل ہے اور ان میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرنا بلا کراہت جائز ہے **ھکذا قال المصنف فی مفتاح الحصن**۔ اور یہی طریقہ اکثر مصنفین نے اختیار کیا ہے۔چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم میں اور امام ابو القاسم شاطبیؒ نے قصیدہ لامیہ اور رائیہ میں صرف صلوٰۃ پر اکتفاء فرمایا ہے اور آیت قرآنی صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا میں جمع بین الصلوٰۃ والسلام کے لئے وجہ المعیت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔واللہ اعلم

﴿قولہ﴾ عَلٰى نَبِيِّهٖ نبیؐ بروزن فعیل بمعنی الفاعل یا تو مشتق ہے نباء مہموز اللام سے جس کے معنی خبر کے ہیں **وھو الاظھر لانہ مخبر عن اللہ تعالیٰ** یا یہ مشتق ہے غیر مہموز سے **وھو الاکثر** اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ مخفف مہموز ہے اس کی ہمزہ یا سے بدل گئی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نبوۃ بمعنی رفعت سے مشتق ہے اس واسطے کہ نبی کا مرتبہ سب سے رفیع اور بلند ہوتا ہے۔واللہ اعلم

نبی اور رسول میں یہ فرق ہے کہ نبی عام اور رسول خاص ہے اس لئے کہ نبی وہ انسان ہے جو تبلیغ احکام کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہو عام اس سے کہ اس کے

ساتھ کتاب یا شریعت جدیدہ ہو یا نہ ہو بخلاف رسول کے کہ اس کے ساتھ کتاب اور شریعت جدیدہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ واللہ اعلم

(3) مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ
وَ مُقْرِئِ الْقُرْاٰنِ مَعْ مُحِبِّہٖ

ت: ''وہ نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور (بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اللہ تعالیٰ) آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب اور قرآن کے پڑھانے والوں اور اس سے محبت رکھنے والوں پر۔''

ش: ﴿قولہ﴾ مُحَمَّدٍ ترکیب میں عَلٰی نَبِیِّہٖ سے بدل یا عطف بیان ہے اور یہ نام نامی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو کہ آپ کے جد امجد عبدالمطلب نے آپ کی ولادت کے سات روز کے بعد رکھا تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ایسا نام کیوں رکھا کہ جو آپ کے آباء و قوم میں سے کسی کا نہیں ہے۔ فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اس شخص کی زمین و آسمان میں حمد (تعریف) کی جائے گی۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی امید کو پورا فرما دیا۔

﴿قولہ﴾ وَ اٰلِہٖ اس سے مراد یا تو آپ کے اقارب یا اہل بیت ہیں یا آپ کی امت کے تمام متبعین ہیں پس اس صورت میں

﴿قولہ﴾ وَصَحْبِہٖ کا عطف خاص بر عام کے قبیل سے ہو جائے گا۔ آلٌ کی اصل اَھْلٌ ہے بتصغیر اُھَیْلٌ ہا کو ہمزہ سے بدل کر ہمزہ کو الف سے بدل لیا ہے اور بعض کے نزدیک اس کی اصل اَوَلٌ بتصغیر اُوَیْلٌ ہے واو کو بقاعدہ اجوف واوی کہ واؤ متحرک ماقبل مفتوح الف سے بدل لیا ہے۔ اور آلٌ و اَھْلٌ میں یہ فرق ہے کہ آلٌ کا استعمال اشراف کے ساتھ مخصوص ہے بخلاف اَھْلٌ کے کہ یہ عام ہے۔

﴿قولہ﴾ صَحْبِہٖ بفتح الصاد و بکسرہ دونوں طرح صحیح ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اسم جمع

کرکب للراکب اور اخفش کے نزدیک صاحب کی جمع ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ فاعل کی جمع فعل کے وزن پر نہیں آتی ہے اس کا قول ضعیف ہے۔ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بحالت ایمان زیارت کی ہو اور اس کا خاتمہ بھی ایمان ہی پر بغیر تخلل ردت ہوا ہو۔

﴿قولہ﴾ مُقْرِئِ الْقُرْاٰنِ اس سے مراد معلم القرآن ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آپ کے آل واصحاب اور آپ کے متبعین سب کو شامل ہے۔ لیکن اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں آپ کے اور آپ کی آل واصحاب کے حق میں توارد صلوٰۃ لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے' لہٰذا مُقْرِئُ کو صرف تابعین و تبع تابعین کے ساتھ مخصوص کرنا چاہیے تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں توارد صلوٰۃ باعتبار صفات مختلفہ کے ہے اور یہ جائز ہے۔

﴿قولہ﴾ مَعْ مُحِبِّہٖ اس کی ضمیر کا مرجع یا تو قُرْآنِ ہے یا مُقْرِئُ اور جن لوگوں نے اس کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کی ہے تو یہ قول اور اسی طرح شارح رومی کا یہ قول کہ مُقْرِئُ کی اصل مُقْرِئِيْنِ ہے نون بوجہ اضافت حذف ہو گیا ہے نہایت درجہ بعید ہے۔

(4) وَبَعْدُ اِنَّ هٰذِهٖ مُقَدِّمَهْ
فِيْمَا عَلٰى قَارِئِهٖ اَنْ يَّعْلَمَهْ

ت: ''اور بعد حمد وصلوٰۃ کے پس یہ مقدمہ ہے ان چیزوں کے بیان میں جن کا جاننا قاری قرآن پر واجب ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَبَعْدُ ای بعد ما تقدم من الحمد والصلوۃ۔ یہ ایک ایسا کلمہ ہے کہ جو ایک کلام سے دوسرے کلام کی طرف منتقل ہوتے وقت لایا جاتا ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ امابعد لایا جاتا کیونکہ یہ سنت ہے جیسا کہ رہاویؒ نے اربعین میں باسناد چالیس صحابہ روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطب ومکاتیب میں اس کا استعمال فرمایا کرتے تھے لیکن اگر بقول مالا یدرك كله لا يترك كله صرف لفظ بعد پر اکتفاء کر لیا جائے خصوصاً مقام ضرورت

میں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے نیز تقدیر اما کا احتمال بھی تحصیل مرام کے لئے کافی وافی ہے۔

﴿قولہ﴾ فَهٰذِهٖ اس سے ارجوزہ یا قصیدہ کی طرف اشارہ ہے اگر خطبہ الحاقیہ ہو ورنہ پھر اس سے رسالہ حاضرہ فی الذہن کی طرف اشارہ ہوگا ومنہ قولہ تعالیٰ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ۔

﴿قولہ﴾ مُقَدِّمَهْ بکسر الدال مشتق ہے قَدَّمَ لازم بمعنی تقدم سے ومنہ قولہ تعالیٰ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ اَیْ لَا تَتَقَدَّمُوْا اور بفتح الدال بھی لغت قلیلہ کی بنا پر جائز ہے کمقدمة الرحل من قدم المتعدی۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہاں مقدمہ سے مراد مقدمة العلم یا مقدمة الکتاب نہیں ہے بلکہ وہ مسائل علم قراءت ہیں کہ جن کا جاننا قاریوں کے لئے ضروری ہے جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے فِيْمَا عَلٰى قَارِئِهٖ سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے ای بیان ما یجب علی کل قارئ من قراء القران علمه (قاریٔ)

(5)

اِذْ وَاجِبٌ عَلَيْهِمْ مُحَتَّمْ
قَبْلَ الشُّرُوْعِ اَوَّلًا اَنْ يَّعْلَمُوْا

ت: ”اس لئے کہ قاریوں پر واجب ہے لازمی طور پر یہ کہ (قرآن شریف) شروع کرنے سے پہلے اولاً جان لیں۔“

(6)

مَخَارِجَ الْحُرُوْفِ وَالصِّفَاتِ
لِيَلْفِظُوْا بِاَفْصَحِ اللُّغَاتِ

ت: ”حروف کے مخارج کو اور ان کی کل صفات کو تا کہ افصح لغات کے ساتھ تلفظ کر سکیں۔

ش: ﴿قولہ﴾: اِذْ وَاجِبٌ۔ یہ وجوب مقدر کی دلیل ہے جو فِيْمَا عَلٰى قَارِئِهٖ کے ضمن میں قرینہ مقام سے باعتبار متعلق مستفاد ہوتا ہے۔

پھر وجوب کی دو قسمیں ہیں (۱) شرعی۔ (۲) عرفی۔ وجوب شرعی اس کو کہتے ہیں جس کے

کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر عقاب ہوتا ہے۔ اور وجوب عرفی وہ ہے کہ جس کا کرنا عرفاً ضروری اور نہ کرنا غیر مستحسن اور برا ہے۔

پس اس تعریف کی بنا پر یہاں وجوب سے مراد وجوب عرفی ہی لیا جا سکتا ہے کیونکہ جمیع مافی المقدمہ شرعاً ضروری نہیں ہے جیسے ادغام کرنا۔ اخفاء کرنا' اظہار کرنا کہ اس کا تارک عقاب کا مستحق نہیں ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وجوب عرفی وجوب شرعی کے منافی نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں میں اس کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے جیسا کہ مخارج حروف اور صفات لازمہ کا علم اور اس کا تحفظ شرعاً و عرفاً دونوں طرح ضروری ہے۔ عرفاً ضروری ہونا تو ظاہر ہے اور شرعاً اس لئے کہ مخارج وصفات لازمہ کے علم کے بغیر اکثر معنی فاسد ہو جاتے ہیں اور فساد معنی سے بچنا شرعاً ضروری ہے اور نہ بچنا موجب عقاب ہے۔ اور اگر وجوب شرعی کی یہ تعریف کی جائے کہ **وهو ما اجمع عليه القراء كالاخفاء والادغام والاظهار والاقلاب وترك المد فيما اجمع على قصره و ترك القصر فيما اجمع على مده وغير ذلك مما ليس فيه خــــلاف** تو اس صورت میں وجوب سے مراد وجوب شرعی بھی لے سکتے ہیں ہیں کیونکہ اس کا تارک فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے جیسا کہ یہ حدیث اس پر دال ہے **اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ**۔ (قرآن مجید کو اہل عرب کے لہجوں میں پڑھو) لہٰذا قاری پر اس چیز کی مراعات واجب ہے کہ جس پر قراء کا اتفاق ہو مثلاً حرفوں کا ان کے مخارج سے نکالنا اور ان کی صفات کو پوری طرح ادا کرنا مثل ترقیق مرقق وتفخیم مفخم وادغام مدغم واظہار مظہر واخفاء مخفی وغیر ذلک **مما هو لازم في كلامهم** ورنہ پھر وہ ان لوگوں میں سے ہوگا کہ جن کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں **اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا** اور نیز وہ ان لوگوں میں داخل ہوگا کہ جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **رُبَّ قَارِئٍ لِّلْقُرْاٰنِ وَ الْقُرْاٰنُ يَلْعَنُهٗ**۔ [1]

[1] امام غزالیؒ نے اس کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قول فرمایا ہے (احیاء العلوم ج ا ص ۲۹۱' باب فی ذم فی تلاوت الغافلین) (نجم الصبیح تھانوی عفی عنہ)

﴿قولہ﴾: عَلَيْهِمْ مُحَتَّمٌ باشباع ضمۃ المیمین اور ضمیر هُمْ کا مرجع قاری ہے کہ جو فِيمَا عَلٰى قَارِئِهٖ میں مذکور ہے کیونکہ یہاں قاری سے مراد جنس قاری قرآن ہے اور قولہ مُحَتَّمٌ وَاجِبٌ کی تاکید ہے اس واسطہ کہ واجب کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ فرض ولازم کے معنی میں ہو بلکہ وہ کبھی ثابت کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ حدیث الجمعة واجب علی کل محتلم میں واجب کو ثابت کے معنی میں کہتے ہیں اور کبھی مہتم بالشان کے معنی میں بھی آتا ہے۔ پس یہاں حضرت مصنف ؒ نے اپنے قول مُحَتَّمٌ سے اس کی تاکید کردی تاکہ واجب فرض ولازم کے معنی میں ہو جائے۔

﴿قولہ﴾: قَبْلَ الشُّرُوْعِ ترکیب میں وَاجِبٌ کا ظرف ہے اور قولہ اَوَّلًا اس کی تاکید ہے ای یجب علیھم قبل الشروع فی قراء ۃ القران و فی ابتداء قصد ھم تعلم القران ان یعلموا الخ (ملا علی قاری شرح جزری)

﴿قولہ﴾: بِاَفْصَحِ اللُّغَاتِ۔ اس سے مراد یا تو وہ لغت ہے کہ جو مطلقاً تمام لغات میں افصح ہے یعنی لغت عرب لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام احبوا العرب لثلاث لانی عربی والقران عربی ولسان اھل الجنة فی الجنة عربی (اخرجہ الطبرانی والحاکم والضیاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما) یا اس سے وہ لغت مراد ہے کہ جو عرب کے تمام لغات میں افصح لغت ہے یعنی لغت قریش کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہے۔ ﴿لقولہ تعالی﴾: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔

(7) مُحَرِّرِی التَّجْوِيْدِ وَالْمَوَاقِفِ
وَمَا الَّذِىْ رُسِّمَ فِى الْمَصَاحِفِ

ت: ”دراں حالیکہ علماء (مخارج وصفات) طالب ہوں تحسین وتجوید قرآن کے اور محل وقوف (و ابتداء) کے اور اس چیز کے کہ جو مصاحف (عثمانیہ) میں مرسوم ہے۔

ش: مُحَرِّرِی التَّجْوِیْدِ الخ ترکیب میں اَنْ یَّعْلَمُوْا کی ضمیر جمع سے حال ہے والمعنی حال کون علماء المخارج و الصفات طالبی تحریر تجوید القران و اتقانه من تحسینه و امعانه۔

اور ﴿قولہ﴾ اَلْمَوَاقِفِ بالاشباع موقف اسم ظرف کی جمع ہے بمعنی محل وقوف اور اس کا عطف تجوید پر ہے اور مبادی کا حذف باب اکتفاء سے ہے ﴿کقولہ تعالیٰ﴾ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّای والبرد اور ﴿قولہ﴾ وَمَا الَّذِیْ میں مَا موصولہ موکدہ یا زائدہ ہے اور ﴿قولہ﴾ رُسِّمَ بتشدید و کسر سین بمعنی کُتِبَ۔ بعض نسخوں میں بتخفیف سین بھی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسم خط عثمانی کا جاننا بھی ضروری ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کلمات قرآنیہ مصحف امام جامع القرآن حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کس طرح لکھے ہوئے ہیں مقطوع یا موصول۔ پس جس طرح لکھے ہوئے ہوں ان کو اسی طرح لکھنا چاہیے۔ اسی طرح کہیں رسم الخط تلفظ کے موافق ہے اور کہیں نہیں ہے۔ تو جہاں وہ تلفظ کے موافق نہیں ہے وہاں اس کو اگر رسم خط کے موافق تلفظ کیا گیا تو وہ لفظ غلط ہو جائے گا' اور اس کے معنی فاسد ہو جائیں گے جیسے لَا اِلَی اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ اور وَلَا اَوْضَعُوْا وغیرہ کہ ان میں لام تاکید کا ہے لیکن لکھا ہوا لام الف یعنی لَا ہے اور چونکہ یہ رسم خط توقیفی و سماعی ہے اس لئے اس کے خلاف لکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

بعض اہل کشف نے اس رسم خاص کے متعلق بڑے بڑے اسرار بیان فرمائے ہیں جن کے سمجھنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ رسم خط بمنزلہ حروف مقطعات و آیات متشابہات کے ہے جن کے متعلق صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ :

﴿ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا. ﴾ (آل عمران: ۷)

اب رہا یہ کہ اس رسم خط کی نسبت حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف کیوں کی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں نہایت اہتمام کے ساتھ باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم چند قرآن مجید اس رسم خط کے موافق لکھوا کر کہ جس میں انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لکھا تھا مختلف مقامات پر روانہ فرمائے تھے پس اسی وجہ سے اس کی نسبت آپ کی طرف کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم ❶

(8) مِنْ كُلِّ مَقْطُوْعٍ وَّ مَوْصُوْلٍ بِهَا
وَتَآءِ اُنْثٰى لَمْ تَكُنْ تُكْتَبْ بِهَا

ت: ''ہر (کلمہ) مقطوع و موصول سے (جو مرسوم ہے) مصاحف عثمانیہ میں اور تاء تانیث سے کہ جو ہاء ہوز کے ساتھ نہ لکھی ہوئی ہو۔''

ش: ﴿قولہ﴾: مِنْ كُلِّ مَقْطُوْعٍ الخ مِنْ بیانیہ ہے مَا موصولہ کے لئے ای مایکتب مقطوعًا من الكلمات لامن الحروف كما قاله الرومی اور ﴿قولہ﴾ بِهَا۔ ای فیھا کی ضمیر کا مرجع مصاحف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو کلمہ مصاحف عثمانیہ میں دوسرے کلمہ سے مقطوع یعنی جدا لکھا ہوا ہے اس کو جدا اور جو کلمہ دوسرے کلمہ سے ملا ہوا لکھا ہے یعنی موصول ہے اس کو ملا کر لکھیں جیسے فِيْ مَا اور فِيْمَا اور كُلَّ مَا اور كُلَّمَا وغیرہ اسی طرح تاء تانیث کہیں مجرورہ یعنی لمبی لکھی ہوئی ہے اور کہیں مربوط یعنی گول بصورت ہاء ہے' لہٰذا اس کا جاننا بھی ضروری ہے تا کہ وہ جس طرح مصحف عثمانیہ میں لکھی ہوئی ہے اس کو اسی طرح لکھیں ورنہ پھر وقف میں سخت غلطی واقع ہوگی اس واسطے

---

❶ مصاحف سے وہ آٹھ صحیفے مراد ہیں جو حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی نگرانی وانتظام میں لکھوا کر بلاد اسلامیہ کے سات مرکزی شہروں میں روانہ کیے (۱) مکہ (۲) مدینہ (۳) دمشق (۴) بصرہ (۵) کوفہ (۶) یمن (۷) بحرین۔ جبکہ آٹھواں مصحف جو مصحف الامام کہلاتا ہے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے مخصوص فرمایا۔ (نجم الصبیح تھانوی عفی عنہ)

کہ جوتا لمبی لکھی جاتی ہے اس پر وقف تاء کے ساتھ اور جوتا گول بشکل ہاء ہوز لکھی جاتی ہے اس پر ہاء کے ساتھ وقف کیا جاتا ہے، یعنی وہ تاء وقف میں ہاء سے بدل جاتی ہے جیسے رَحْمَةٌ وَنِعْمَةٌ وغیرہ۔ اسی طرح جو کلمات مصاحف عثمانیہ میں موصول ہیں ان پر وقف دوسرے کلمہ پر کیا جاتا ہے نہ کہ اول کلمہ پر۔ اگر کسی نے اول کلمہ پر وقف کر دیا تو یہ وقف صحیح نہیں ہوگا بخلاف ان کلمات کے کہ جو مقطوع مرسوم ہیں کہ ان میں اول کلمہ پر بھی وقف کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ مَخَارِجِ الْحُرُوْفِ

حروف کے مخارج کا بیان

(9) مَخَارِجُ الْحُرُوْفِ سَبْعَةَ عَشَرْ
عَلَى الَّذِیْ یَخْتَارُهُ مَنِ اخْتَبَرْ

ت: ''حرفوں کے مخارج سترہ ہیں اس شخص کے قول پر جس نے ان کو اختیار کیا ہے اور وہ بڑا باخبر (وذی علم) ہے (یعنی خلیل بن احمد فراہیدی)

ش: ﴿قولہ﴾ مَخَارِجُ الْحُرُوْفِ الخ مخارج مخرج کی جمع ہے۔ لغت میں مطلقاً نکلنے کی جگہ کو اور اصطلاح میں منہ کے جس حصہ سے حروف نکلتے ہیں ان کو مخارج کہتے ہیں۔ اور حروف جمع ہے حرف کی، اس کے لغوی معنی طرف کے ہیں اور اصطلاح میں وہ آواز ہے کہ جو مقطع محقق یعنی حلق ومنہ اور ہونٹ کے اجزاء میں سے کسی جزو معین پر معتمد ہو اور اگر ہوائے فم پر تمام ہو جائے اور اجزائے فم میں سے کسی جزو پر معتمد نہ ہو جیسا کہ حروف مدہ کے ادا کرنے میں آواز کسی جزو پر معتمد نہیں ہوتی ہے بلکہ ہوائے فم پر تمام ہو جاتی ہے تو یہ مقطع مقدر کہلاتا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہاں حروف سے مراد حروف مبانی یعنی حروف تہجی الف — با — تا — ثا ہیں حروف معانی نہیں ہیں جیسا کہ کتب عربیہ میں مذکور ہے۔ پھر ان حروف ہجائیہ کی دو قسمیں ہیں اصلی وفرعی۔ اصلی تو وہ

ہیں کہ جن کا مخرج متعین اور مستقل ہے اور حروف فرعی وہ کہلاتے ہیں کہ جو دو مخرجوں کے درمیان متردد ہوں، جیسے ہمزہ مسہلہ والف ممالہ وغیرہ۔ یہاں جو مخارج بیان کئے گئے ہیں وہ حروف اصلی ہی کے مخارج ہیں اور یہ انتیس حروف ہیں۔

﴿قولہ﴾ **سَبْعَةَ عَشَرْ اى مَخْرَجًا** یعنی کل مخارج سترہ ہیں اور یہ مذہب امام خلیل بن احمد فراہیدیؒ استاذ سیبویہ کا ہے اور یہی مذہب جمہور اور مشہور ومختار ہے، حضرت ناظمؒ نے بھی اسی کی طرف اپنے قول **عَلَى الَّذِىْ** الخ سے اشارہ فرمایا ہے یعنی **بناء على قول من اختار ذلك باختباره الا قوال و تمييزه بين الاحوال** اور سیبویہؒ کے نزدیک سولہ مخارج ہیں انہوں نے حروف مدہ اور غیر مدہ کا ایک ہی مخرج قرار دیا ہے اور الف کا مخرج اقصائے حلق یعنی حلق کا وہ پچھلا حصہ جو سینہ کے متصل ہے کہا ہے اور یہی مخرج ہمزہ وہاء کا بھی ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ اور فراء نے چودہ مخرج بیان کئے ہیں، انہوں نے لام وراء اور نون کا مخرج غائت قرب کی وجہ سے ایک ہی ذکر کیا ہے، اور حروف مدہ کا مخرج جوف دہن زائد نہیں کیا ہے غرضیکہ یہ سترہ وسولہ اور چودہ کا اختلاف تقارب شدید کی وجہ سے ہوا ہے ورنہ ہر حرف کا مخرج محققین کے نزدیک علیحدہ اور ایک دوسرے سے جدا ہے۔ واللہ اعلم

(10) **فَاَلِفُ الْجَوْفُ وَاُخْتَاهَا وَهِىْ**
حُرُوْفُ مَدٍّ لِّلْهَوَآءِ تَنْتَهِىْ

ت: ”پس الف اور اس کے اختین (دو ساتھیوں) کا مخرج جوف دہن ہے اور یہ حروف مدہ ہیں جو ہوائے فم پر تمام ہوتے ہیں۔“

ش: ﴿قولہ﴾: **فَاَلِفُ الْجَوْفُ** الخ اى **فَمَخْرَجُ الْاَلِفِ الْجَوْفِ**۔ جوف منہ کے اندر کے خلاء کو کہتے ہیں جس کے لئے کوئی جگہ محقق نہ ہو۔

﴿قولہ﴾: **اُخْتَاهَا** سے مراد واؤ و یاء ساکن ہے جب کہ ان کے ماقبل کی حرکت ان کے

موافق ہو یعنی واؤ ساکن سے پہلے ضمہ اور یاء ساکن سے پہلے کسرہ ہو اور اس صورت میں ان کو حروف مدہ کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ الف اور واؤ و یاء مدہ کا مخرج جوف دہن ہے یعنی حلق و منہ کا خلا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لئے کوئی مخرج محقق نہیں ہے بلکہ یہ ہوائے فم پر ختم ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے ان کو حروف ہوائیہ بھی کہتے ہیں۔ اور واؤ و یاء کو جواخت الف کہا گیا ہے وہ اس لئے کہ یہ دونوں حرف علت ہونے کے علاوہ سکون اور ما قبل کی حرکت کے موافق ہونے میں الف کے ساتھ مشابہ ہیں اس واسطے کہ الف ہمیشہ ساکن اور اس سے پہلے حرکت اس کے موافق یعنی فتحہ ہوتا ہے، اور الف کو جو اصل قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ الف ہمیشہ مدہ ہوتا ہے بخلاف واؤ و یاء کے کہ یہ کبھی مدہ اور کبھی غیر مدہ ہوتے ہیں اور غیر مدہ یعنی لینیہ اس وقت ہوتے ہیں جب کہ ان کے ما قبل کی حرکت مخالف یعنی فتحہ ہو جیسے خَوْفٌ وَ بَيْتٌ وغیرہ۔

فائدہ: حضرت مصنفؒ نے جو حروف مدہ کو تمام حروف پر مقدم ذکر کیا ہے وہ بوجہ عموم مخرج کے ہے اور نیز اس وجہ سے کہ ان کا مخرج بقیہ مخارج کی بہ نسبت بمنزلہ کل الی جزو کے ہے اور یہ حیثیت تقدیم کی مقتضی ہے ورنہ بہ لحاظ مخرج مقدر ان کا موخر ذکر کرنا ہی مناسب تھا کیونکہ مخرج مقدر کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ مخرج محقق سے موخر ہی ذکر کیا جائے۔ واللہ اعلم

(11) ثُمَّ لِاَقْصَى الْحَلْقِ هَمْزٌ هَاءٌ

ثُمَّ لِوَسْطِهٖ فَعَيْنٌ حَاءٌ

ت: ''پھر اقصائے حلق ہمزہ و ہاء کا مخرج ہے اور درمیان حلق میں عین و حاء کا مخرج ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾: ثُمَّ لِاَقْصَى الْحَلْقِ الخ یعنی دوسرا مخرج حلق کا وہ پچھلا حصہ جو سینہ کے متصل ہے ہمزہ و ہاء کا ہے اور بعض نے الف کا بھی یہی مخرج ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور اس کو ان دونوں کے بعد رکھا ہے اور اس قول کی نسبت سیبویہؒ کی طرف کی جاتی ہے

اوران سے تقدیم الف علی الہاء بھی ثابت ہے جیسا کہ جار بردیؒ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ہمزہ وہاء دونوں ایک ہی درجہ میں ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ہمزہ ہاء سے مقدم ہے۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾: ثُمَّ لِوَسْطِهٖ یعنی تیسرا مخرج درمیان حلق ہے اور اس سے عین وحاء نکلتے ہیں۔ ملا قاری فرماتے ہیں کہ مناسب تو یہ تھا کہ یوں کہا جاتا "عَيْنٌ فَحَآءٌ" لیکن یہ تغیر ضرورت شعر کی وجہ سے کیا گیا ہے اور جس نسخہ میں **ومن وسطه بالتحريك** اور **وما وسطه فعين حاء** ہے تو اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہے اور نہ تغیر پر محمول کرنے کی کوئی حاجت ہے۔ اب رہا یہ کہ عین حاء پر مقدم ہے یا حاء عین پر مقدم ہے تو تقدیم عین علی الحاء سیبویہ کا مسلک ہے اور یہی قول مکیؒ کا ہے لیکن ابوالحسن بن شریحؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ حاء عین سے مقدم ہے اور یہی مہدوی وغیرہ نے کہا ہے۔ واللہ اعلم

(12) اَدْنَاهُ غَيْنٌ خَآءُ هَا وَالْقَافُ
اَقْصَى اللِّسَانِ فَوْقُ ثُمَّ الْكَافُ

ت: "ادنائے حلق غین اور خاء کا مخرج ہے اور قاف کا مخرج زبان کی جڑ اور اس کا مافوق (اوپر کا تالو) پھر کاف کا مخرج (ہے)۔"

(13) اَسْفَلُ وَالْوَسْطُ فَجِيمُ الشِّيْنُ يَا
وَالضَّادُ مِنْ حَافَتِهٖ اِذْ وَلِيَا

ت: "(جو) کچھ نیچے ہے (مخرج قاف سے) اور درمیان زبان جیم وشین اور یاء غیر مدہ کا مخرج ہے اور ضاد نکلتا ہے۔ زبان کی کروٹ یعنی کنارہ سے جب کہ وہ (کنارہ) متصل ہو......"

(14) الْاَضْرَاسَ مِنْ اَيْسَرَ اَوْ يُمْنَاهَا
وَاللَّامُ اَدْنَاهَا لِمُنْتَهَاهَا

ت: ''داڑھوں کے بائیں جانب سے یا دائیں سے اور لام کا مخرج کنارۂ زبان کے شروع سے اس کے ختم تک ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾: اَدْنَاهُ غَيْنٌ الخ ای اقرب الحلق الی الفم وھو اولہ من جانب الفم مخرج غین وخاؤ ہا یعنی چوتھا مخرج شروع حلق منہ کی طرف غین اور خاء کا ہے اور اضافت خاء کی غین کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ دونوں حرف ہجائیہ یا صفت حلقیہ یا معجمہ ہونے میں مشترک ہیں اور غین کا خا پر مقدم ہونا بھی مختار سیبویہ ہے۔ علامہ شاطبیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ حضرت مصنفؒ نے بھی ان ہی کا اتباع کرتے ہوئے غین کو خاء سے پہلے ذکر کیا ہے لیکن مکی نے اس کی تصریح کی ہے کہ خاء غین پر مقدم ہے۔ ابن خروف نحویؒ کہتے ہیں کہ سیبویہؒ نے ان حرفوں میں جن کا مخرج ایک گنا جاتا ہے کوئی ترتیب نہیں رکھی ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ ہے کہ حلق میں تین مخرج ہیں اور ان سے چھے حروف، ہمزہ وہا و حاء و عین و خاء و غین نکلتے ہیں اور ان کو حروف حلقیہ کہتے ہیں کیونکہ یہ فی الجملہ حلق سے نکلتے ہیں۔

﴿قولہ﴾: وَالْقَافُ بتقدیر مضاف ای مخرجہا اور ﴿قولہ﴾: اَقْصَى اللِّسَانِ یعنی زبان کا وہ آخری حصہ جو حلق کے قریب ہے۔ اور ﴿قولہ﴾ فَوْقُ سے مراد وما فوقہ من الحنك الاعلی یعنی اوپر کا تالو ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پانچواں مخرج قاف کا ہے اور وہ زبان کی جڑ اور اس کے مقابل اوپر کا تالو ہے۔

﴿قولہ﴾: ثُمَّ الْكَافُ – ای مخرجھا اقصی اللسان اسفل من مخرجا القاف یعنی چھٹا مخرج کاف کا ہے جو زبان کی جڑ قاف کے مخرج سے کچھ ذرا نیچے منہ کی طرف ہے اور ان دونوں حرفوں کو یعنی قاف اور کاف کو حروف لہویہ یا لہاتیہ کہتے ہیں کیونکہ یہ لہات بفتح اللام کے قریب سے نکلتے ہیں اور لہات عربی میں اس گوشت کے ٹکڑے کو کہتے ہیں کہ

جو حلق میں لٹکا ہوا ہے اور جس کو اردو میں کوا کہتے ہیں۔ بعض نے اقصائے فم ولسان کو لہات کہا ہے۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾: وَالْوَسْطُ اس میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای وسط اللسان ای مع ما یحاذیہ من وسط الحنك الاعلی او وسطهما فمخرج الجیم والشین والیاء۔

خلاصہ یہ ہے کہ ساتواں مخرج جیم وشین ویاء غیر مدہ کا ہے جو زبان کا بیچ اور اس کے مقابل اوپر کا تالو ہے اور ان تینوں حرفوں کو حروف شجریہ کہتے ہیں کیونکہ یہ شجر فم یعنی منہ کی اس کھلی ہوئی جگہ سے نکلتے ہیں جو دونوں جڑوں کے درمیان ہے۔

﴿قولہ﴾: وَالضَّادُ- ای مخرج الضاد من جانب اللسان وطرفه اذا قرب الجانبان ای احدهما۔ اور ﴿قولہ﴾ وَلِیَا فعل ماضی ہے اور اس کی ضمیر مذکر بتاویل معنی جانب حافہ کی طرف راجع ہے اور اس کا الف تثنیہ کا ہے یعنی والحکم لکل واحد منهما علی انفراده اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا الف اطلاق کا ہے ای اذ اقرب جانب اللسان اور ﴿قولہ﴾: اَلاَضْرَاسَ- بنقل حرکت الهمز الی اللام۔ ترکیب میں وَلِیَا کا مفعول ہے۔

﴿قولہ﴾: مِنْ اَیْسَرَ اَوْ یُمْنَاهَا- وکان حق المصنف ان یقول من ایسر او یمنی او یسراها او یمناها لکن غایر بینهما ضرورۃ۔ اور یُمْنَاهَا کی ضمیر کا مرجع اضراس یا حافہ ہے اور یہ دونوں متلازم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آٹھواں مخرج ضاد کا ہے اور وہ زبان کی کروٹ اور اس کے متصل اوپر کی داڑھیں ہیں خواہ داہنی طرف سے یا بائیں سے ادا کیا جائے یا دونوں جانب سے ایک ساتھ ادا کیا جائے لیکن بائیں جانب سے ادا کرنا زیادہ آسان ہے اور اکثر اسی طرف سے ادا کیا جاتا ہے اور دونوں طرف سے ایک ساتھ ادا کرنا حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مختصات میں سے

ہے اور اس طرح ہر دو جانب سے معاً ادا کرنا زیادہ مشکل اور اثقل ادا ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: آئندہ جو مخارج بیان کئے جائیں گے چونکہ ان کا تعلق دانتوں سے ہے اس لئے پہلے ہم دانتوں کی تعداد اور اس کی تفصیل حسب ذیل اشعار میں بیان کرتے ہیں تاکہ یاد کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

دانت اکثر منہ میں ہر انسان کے	ہوتے ہیں بتیس کل اے نیک پے
سامنے چوڑے سے جو ہیں دانت چار	ہیں ثنایا نزد مرد باوقار
دو ہیں علیا ان میں جو اوپر کے ہیں	اور سفلیٰ ان میں دو نیچے کے ہیں
ہیں رباعی چار پھر اے مرد نیک	ان کی ہر جانب میں جو ہے ایک ایک
ان کے پہلو میں ہے اک اک نوک دار	کہتے ہیں انیاب ان کو ہیں یہ چار
اب رہیں باقی جو داڑھیں بیس اور	نام ہے اضراس ان کا سن بغور
چار کو ان میں ضواحک جان لے	ہیں جو بالکل متصل انیاب کے
پاس جو ہیں ان کے بارہ اور نیز	کہتے ہیں ان کو طواحن اے عزیز
جن کی یہ تفصیل ہے مرد متین	دائیں بائیں نیچے اوپر تین تین
پھر نواجذ ان کے بازو میں ہیں چار	یاد کر لے ان کو تو اے باوقار

کسی نے ان کو تین اشعار میں یوں نظم کیا ہے:

ہے تعداد دانتوں کی کل تیس اور دو	ثنایا ہیں چار اور رباعی ہیں دو دو
ہیں انیاب چار اور باقی رہے بیس	کہ کہتے ہیں قراء اضراس انہیں کو
ضواحک ہیں چار اور طواحن ہیں بارہ	نواجذ بھی ہیں ان کے بازو میں دو دو

﴿قولہ﴾: وَاللَّامُ — ای مخرج اللام ﴿قولہ﴾: اَدْنَا هَا لِمُنْتَهَاهَا میں ہر دو ضمیر (ھا) کا مرجع حافۂ لسان ہے اور لِمُنْتَهَاهَا میں لام بمعنی اِلٰی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نواں مخرج لام کا ہے جو طرف زبان کے شروع سے اس کے ختم تک ہے مع اوپر کے مسوڑھوں کے کہ جو اس کے متصل اور مقابل ہیں اور یہ ضاحک سے ثنیہ کے مسوڑھے تک ہے اس کو بھی خواہ داہنی جانب سے ادا کیا جائے یا بائیں سے، لیکن یہ اکثر داہنی جانب سے ادا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(15) وَالنُّوْنُ مِنْ طَرَفِهٖ تَحْتُ اجْعَلُوْا

وَ الرَّا يُدَانِيْهٖ لِظَهْرٍ اَدْخَلُ

ت: ''اور نون کو زبان کے سرے سے (لام کے مخرج سے) کچھ نیچے سے ادا کرو اور راء کا مخرج نون کے مخرج کے قریب ہی ہے لیکن (اس سے) پشت زبان کی طرف ذرا اندر کو ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾: وَالنُّوْنُ ترکیب میں اِجْعَلُوْا کا مفعول مقدم ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور ﴿قولہ﴾ تَحْتُ مبنی علی الضم ہے اور ﴿قولہ﴾ مِنْ طَرَفِهٖ۔ بفتحتین اِجْعَلُوْا کے متعلق ہے۔ ای اجعلوا مخرج النون من طرف اللسان وھورأسہ واولہ مع ما یلیہ من اللثۃ مائلا الی ماتحت اللام قلیلا یعنی دسواں مخرج نون کا ہے اور وہ زبان کا سرا اور اس کے مقابل مسوڑہ یعنی تالو ہے، مگر لام کے مخرج سے کچھ کم اور اس سے کچھ نیچے ہے۔ بعضوں نے اس کی ترکیب یوں بیان کی ہے کہ ﴿قولہ﴾ النُّوْنُ مبتدا بتقدیر مخرج اور ﴿قولہ﴾ مِنْ طَرَفِهٖ اس کی خبر ہے اور ﴿قولہ﴾ تَحْتُ ظرف ہے اِجْعَلُوْا کا اور مفعول محذوف ہے ای اجعلوا النون تحت اللام (قاریؒ)

﴿قولہ﴾: وَالرَّا بالقصر ضرورۃ ای مخرج الراء یدانیہ باشباع ھاء ای یقارب مخرج النون اور ﴿قولہ﴾ لِظَهْرٍ میں لام بمعنی اِلٰی ہے ای لکنہ الی ظھرہ من اللسان ادخل اور ﴿قولہ﴾ اَدْخَلُ مفرد ہونے کی صورت میں اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا اور بعض نسخوں میں بصیغہ جمع یعنی باثبات واؤ بھی ہے جو ماضی اور امر دونوں کو

محتمل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ گیارہواں مخرج راء کا نون کے مخرج کے قریب ہے لیکن اس میں پشت زبان کو بھی کچھ دخل ہے اور ان تینوں حرفوں یعنی لام ونون وراء کو حروف ذلقیہ یا ذولقیہ کہتے ہیں کیونکہ یہ ذلق لسان یعنی زبان کی طرف سے نکلتے ہیں۔

(16) وَ الطَّآءُ وَالدَّالُ وَتَا مِنْهُ وَمِنْ
عُلْيَا الثَّنَايَا وَالصَّفِيرُ مُسْتَكِنْ

ت: ''اور طاء ودال وتا زبان کی نوک اور ثنایا علیا (کی جڑ) سے نکلتے ہیں اور حروف صفیر (سین صاد زا) کے خروج کا جائے قرار یعنی مخرج۔

(17) مِنْهُ وَمِنْ فَوْقِ الثَّنَايَا السُّفْلٰى
وَالظَّاءُ وَالذَّالُ وَثَا لِلْعُلْيَا

ت: ''طرف زبان اور فوق ثنایا سفلیٰ ہے۔ اور ظاء وذال وثاء (ثنایا) علیا کے لئے خاص ہیں۔''

(18) مِنْ طَرَفَيْهِمَا وَمِنْ بَطْنِ الشَّفَهْ
فَالْفَا مَعَ اطْرَافِ الثَّنَايَا الْمُشْرِفَهْ

ت: ''زبان اور ثنایا علیا کے طرف یعنی سرے سے نکلتے ہیں' اور نیچے کے ہونٹ کی تری اور اس کے شکم سے فاء نکلتی ہے اور مع اطراف ثنایا علیا کے۔''

ش: ﴿قولہ﴾: وَ الطَّآءُ وَالدَّالُ الخ ای مخرج هذه الثلاثة من طرف اللسان ومن الثنايا العليا يعني فيما بينه وبين اصول الثنايا العليا مصعدا الى الحنك الاعلى۔ خلاصہ یہ ہے کہ بارہواں مخرج طا ودال وتاء کا ہے جو زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ ہے اس طرح پر کہ زبان اوپر کے تالو کی طرف چڑھتی ہوئی معلوم ہو اور

ان تینوں حرفوں کو نطعیہ کہتے ہیں کیونکہ یہ نطع یعنی اوپر کے تالو کے قریب سے نکلتے ہیں۔

﴿قولہ﴾: وَالصَّفِيْرُ- اى حروف الصفير یہ تین حروف ہیں صاد۔زای۔ سین مہملہ جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے آئندہ صفات کے بیان میں ان کو ذکر کیا ہے۔

﴿قولہ﴾: مُسْتَكِنُ- اى مستقر خروجهن منه اى من طرف اللسان ومن فوق الثنايا السفلى اى من اطراف الثنايا السفلى۔ خلاصہ یہ ہے کہ تیرہواں مخرج زبان کا سرا اور ثنایا سفلی کا کنارہ ہے مع اتصال ثنایا علیا کے اور اس سے حروف صفیر نکلتے ہیں' ان کو حروف اسلیہ بھی کہتے ہیں اس واسطے کہ یہ اسلۃ اللسان یعنی زبان کی نوک سے ادا ہوتے ہیں۔

﴿قولہ﴾: وَالظَّآءُ الخ اى مخرج هذه الثلثة خاص للعليا من طرفيهما اى من طرف اللسان واطراف الثنايا العليا یعنی چودھواں مخرج ظاء وذال وثاء کا ہے جو زبان کا سرا اور ثنایا علیا کا کنارہ ہے' اور ان تینوں حرفوں کو لثویہ کہتے ہیں کیونکہ یہ لثہ یعنی مسوڑھوں کے قریب سے نکلتے ہیں۔

یہاں تک جو مخارج بیان کئے گئے ہیں وہ ہیں کہ جن کا تعلق زبان سے ہے اور یہ دس مخارج ہیں اور ان سے اٹھارہ حروف نکلتے ہیں۔ اب اس کے بعد حضرت مصنفؒ ان مخارج کو بیان فرماتے ہیں کہ جن کا تعلق ہونٹوں سے ہے۔

﴿قولہ﴾: وَمِنْ بَطْنِ الشَّفَهْ۔ بفتح الشین وبکسرہ اور ﴿قولہ﴾ فَالْفَا میں فاء زائدہ ہے اس لئے کہ یہ مبتدا ہے والمعنى ان الفاء تخرج من بطن الشفة السفلى مع اطراف الثنايا العليا المعينة بقوله المشرفه۔

خلاصہ یہ ہے کہ پندرہواں مخرج فاء کا ہے اور وہ نیچے کے ہونٹ کی تری یعنی شکم اور ثنایا علیا کا کنارہ ہے یہاں پر شفت اگرچہ مطلقاً ذکر کیا گیا ہے مگر اس سے مراد شفت سفلی ہے کیونکہ شفت علیا سے فاء کا ادا کرنا دشوار ہے۔ فافہم

(19) لِلشَّفَتَيْنِ الْوَاوُ بَآءٌ مِّيْمُ
وَغُنَّةٌ مَّخْرَجُهَا الْخَيْشُوْمُ

ت: ”شفتین کے لئے واؤ اور باء اور میم ہے اور غنہ کا مخرج خیشوم (بانسہ) ہے۔“

ش: ﴿قولہ﴾: لِلشَّفَتَيْنِ الخ ای مخرج هذه الثلاثة خاص للشفتين حيث يخرج بين الشفة العليا و السفلى یعنی سولہواں مخرج دونوں لب ہیں اور ان سے واؤ۔ باو میم نکلتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ واؤ انفتاح شفتین (ہونٹوں کو کھولنے) اور باء و میم انطباق شفتین (ہونٹوں کو بند کرنے یا ملانے) سے ادا ہوتے ہیں لیکن انطباق شفتین مع الباء اقویٰ ہے انطباق شفتین مع المیم سے' اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ اول باء پھر میم اور پھر اس کے بعد واؤ ذکر کی جاتی جیسا کہ علامہ مکیؒ نے ذکر کیا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہاں واؤ سے مراد واؤ غیر مدہ ہے کیونکہ واؤ مدہ کا مخرج جوف دہن اوپر گزر چکا ہے۔

﴿قولہ﴾: اَلْخَيْشُوْمُ یعنی سترہواں مخرج خیشوم ہے اور وہ ناک کا انتہائی حصہ ہے جس کو بانسہ کہتے ہیں۔ اس سے غنہ کے حروف میم ساکن اور نون ساکن و تنوین نکلتے ہیں جب کہ ان میں ادغام ناقص یا اخفاء مع الغنہ کیا جائے یا نون و میم مشدد ہوں کیونکہ اس صورت میں یہ دونوں یعنی نون اور میم اپنے اصلی مخرج سے خیشوم کی طرف پھر جاتے ہیں بخلاف اس نون اور میم کے کہ جو متحرک یا ساکن بحالت اظہار ہوں کہ ان میں اگرچہ خیشوم کو بھی دخل ہے لیکن مخرج اصلی کو اس حالت میں زیادہ دخل ہوتا ہے چنانچہ اسی وجہ سے ایسے نون کا مخرج زبان کا سرا اور ایسے میم کا مخرج شفتین قرار دیا گیا ہے۔ فافہم

بَابُ الصِّفَاتِ

صفات کا بیان

(20) صِفَاتُهَا جَهْرٌ وَّرِخْوٌ مُّسْتَفِلْ
مُنْفَتِحٌ مُّصْمِتَةٌ وَّالضِّدَّ قُلْ

ت: ”حرفوں کی صفات جہر و رخاوت و استفال و انفتاح و اصمات ہیں اور ان کی صفات اضداد کو (بھی) یاد کرو۔“

ش: ﴿قولہ﴾: صِفَاتُهَا الخ صفات جمع صفت کی ہے لغت میں اس کے معنی ما قام بالشیٔ من المعانی کالعلم و السواد اور اصطلاح میں وہ ایک کیفیت ہے کہ جو حروف کو ادائیگی کے وقت عارض ہوتی ہے مثل جہر و رخو یا رخاوت و ہمس و شدت وغیرہ کے۔ پس مخارج حرفوں کے لئے مثل میزان اور ترازو کے ہیں کہ جن سے حرفوں کی ماہیت اور کمیت معلوم ہوتی ہے اور صفات حروف مثل محک اور کسوٹی کے ہیں کہ ان سے حرفوں کی ہیئت و کیفیت پہچانی جاتی ہے اور ایک مخرج کے کئی حروف ان ہی کے سبب سے بوقت ادا ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہوتے ہیں اور اگر چہ یہ صفات نہ ہوں تو کلام مثل اصوات بہائم کے ہو جاتا ہے کہ جن کے لئے ایک ہی مخرج اور ایک ہی صفت ہے اور کچھ بھی سمجھ میں نہ آتا اس لئے حضرت مصنفؒ نے مخارج کے بعد صفات کو بیان فرمایا ہے اور برعایت وزن بعض کو بلفظ مصدر اور بعض کو بصیغہ صفت ذکر کیا ہے۔

پھر ان صفات کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) لازمہ (۲) عارضہ۔ لازمہ وہ ہے کہ جو حرف سے کبھی جدا نہ ہو اور اس سے حروف متحدہ فی المخرج آپس میں ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز معلوم ہوں۔ اور عارضہ اس کو کہتے ہیں کہ جس سے حرفوں میں خوبصورتی اور زینت پائی جائے۔

صفات لازمہ مشہورہ بھی مثل مخارج سترہ ہیں۔ اگر چہ بعض نے چودہ اور بعض نے سولہ اور

بعض نے چوالیس بیان کی ہیں جیسا کہ قرآءت کی بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہے۔ پھر ان صفات لازمہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) متضادہ (۲) غیر متضادہ۔ متضادہ وہ ہے کہ اس کے لئے کوئی دوسری صفت ضد ہو جیسے ہمس کی ضد جہر اور شدت کی ضد رخاوت وغیرہ ہے۔ اور غیر متضادہ اس کو کہتے ہیں کہ جس کے مقابلہ میں کوئی دوسری صفت مقرر نہ ہو۔ صفات متضادہ دس ہیں جن میں سے پانچ صفتیں پانچ کی ضد اور اس کے مقابل ہیں۔

حضرت مصنفؒ نے اولاً صفات متضادہ کو بیان فرمایا ہے اور ان میں سے پانچ کو اس بیت میں اور باقی پانچ کو اگلے بیت سے ترتیب وار بیان کیا ہے اور اپنے قول وَالضِّدَّ قُلْ (ای واذکر اضداد هذه الصفات الخمسة بالمقابلة المرتبة) سے ان ہی باقی پانچ صفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

(21) مَهْمُوْسُهَا فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ
شَدِيْدُهَا لَفْظُ اَجِدْ قَطٍ بَكَتْ

ت: ''حروف مہموسہ کا مجموعہ فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ ہے اور حروف شدیدہ لفظ اَجِدْ قَطٍ بَكَتْ میں جمع ہیں۔''

ش: ﴿قولہ﴾: مَهْمُوْسُهَا الخ یعنی حروف مہموسہ مجتمع ہیں ان کلمات مرکبہ میں کہ جو فَحَثَّهُ۔ شَخْصٌ۔ سَكَتْ ہے اور یہ دس حروف ہیں ف۔ ح۔ ث۔ ہ۔ ش۔ خ۔ ص۔ س۔ ک۔ ت۔ حَثٌّ کے معنی حَضٌّ کے ہیں یعنی برانگیختہ کرنا۔ اور شَخْصٌ مشہور ہے۔ اور سَكَتْ مِنَ السُّكُوْتِ فعل ماضی کا صیغہ ہے۔

حضرت ناظمؒ نے جو مہموسہ اور اس کے اخوات کے حروف بیان کئے ہیں اور مجہورہ اور اس کے اخوات کے حروف بیان نہیں کئے تو وہ اس لئے کہ یہ کم ہیں اور بمقابلہ کثیر حروف کے قلیل

حروف جلد ضبط اور یاد ہو جاتے ہیں اور ان کو مہموسہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان میں صفت ہمس پائی جاتی ہے ہمس کے لغوی معنی خفاء کے ہیں **و منہ قولہ تعالی فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ای صوتا خفیا والمراد بہ حس مشی الاقدام الی المحشر** اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا کے وقت بوجہ ضعف حرف آواز اس کے مخرج میں ایسے ضعف سے ٹھہرے کے سانس جاری رہے اور آواز میں ایک قسم کی پستی پائی جائے جیسے یَلْهَثْ کی ثاء۔

اس کی ضد جہر ہے اور اس کے حرفوں کو مجہورہ کہتے ہیں اور یہ انیس حروف ہیں جو حروف مہموسہ کے علاوہ ہیں۔ جہر کے لغوی معنی اعلان واظہار کے ہیں اور اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ حرف کے ادا کرتے وقت آواز بوجہ قوت حرف اس کے مخرج میں ایسی قوت سے ٹھہرے کہ سانس بند ہو جائے اور آواز میں ایک قسم کی بلندی پائی جائے۔ جیسے مُؤْمِنْ کا ہمزہ۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ جو ہوا انسان کے منہ سے بدفع طبیعت خود بخود خارج ہو اس کو نَفَس یعنی سانس کہتے ہیں۔

اور جو ہوا بارادہ خارج ہو اور اسکو دو جسموں کے تصادم کی وجہ سے تموج عارض ہو جائے تو اس کو صوت یعنی آواز کہتے ہیں۔

اور جب اس صوت کو کیفیات مخصوصہ بسبب اعتماد مخرج محقق یا مقدر عارض ہوں تو یہ حرف کہلاتا ہے۔

اور اگر اس حرف کو دوسری کیفیات بسبب آلات مثل آواز کا جاری رہنا یا نہ رہنا مخرج پر اعتماد قوی کا ہونا یا نہ ہونا عارض ہوں تو ان کیفیات کو صفات کہتے ہیں۔

پھر وہ نفس خارج جو حرف کی صفت ہے اگر کیفیت صوت کے ساتھ اتنا متکیف ہو جائے کہ اس سے صوت قوی حاصل ہو تو یہ حرف مجہور ہے۔

اور اگر بلا صوت کچھ باقی رہے کہ جو حرف کے ساتھ جاری ہو تو یہ حرف مہموس ہے۔

اور جب صوت حرف اس کے مخرج میں انحصار کامل کے ساتھ منحصر ہو جائے اور قطعاً جاری نہ

رہے تو یہ حرف شدید کہلاتا ہے مثل اَلْحَجْ کے کہ اگر اس پر وقف کیا جائے تو اس میں آواز بالکل بند اور ٹھہری ہوئی پائی جائے گی حتیٰ کہ اگر ہم اس کو جاری کرنا بھی چاہیں گے تو نہ کر سکیں گے۔

اور اگر جریان صوت کامل طور پر پایا جائے اور بالکل بند نہ ہو تو یہ حرف رخوہ ہے جیسے بَطْشْ کا شین کہ اگر ہم اس پر وقف کریں تو اس میں آواز برابر جاری رہے گی اور ہم اس کو جتنا چاہیں کھینچ سکتے ہیں۔

اور اگر انحصار صوت و جریان صوت کامل طور پر نہ پایا جائے تو یہ بین الشدۃ والرخاوۃ متوسط کہلاتا ہے مثل اَلظِّلْ کے کہ جب تم اس پر وقف کرو گے تو اس میں نہ تو مثل اَلْحَجْ کے پوری طرح انحصار صوت پایا جائے گا اور نہ مثل بَطْشْ کے جریان صوت ہی ہوگا بلکہ حد اعتدال پر ان دونوں کے درمیان سے ادا ہوگا۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾: شَدِیْدُھَا الخ یعنی حروف شدیدہ جو صفت شدت کے ساتھ متصف ہیں۔
ان کا مجموعہ کلمات ثلاثہ اَجِدْ قَطٍ بَکَتْ ہے اور یہ آٹھ حروف ہیں ء۔ ج۔ د۔ ق۔ ط۔ ب۔ ك۔ ت اور معنی اس کے یہ ہیں کہ کسی اہل عرب کی ایک محبوبہ تھی جس کا نام قَطٌّ تھا۔ پس دفعتہً اس کے مکان سے رونے کی آواز سنائی دی تو اس پر اس نے کہا اَجِدْ قَطٍ بَکَتْ یا اَجِدُ اِجَادَۃً سے فعل امر ہے اور قَطٍ منون مجرور مخفف بمعنی حسب اور بَکَتْ مجرد تبکیت ہے یقال بکتہ اذا غلبہ بالحجۃ۔

شدت کے لغوی معنی قوت و سختی کے ہیں اور اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ حرف کے ادا کے وقت آواز کمال قوت اعتماد مخرج کی وجہ سے بند ہو جائے اور سخت ہو جیسے اَحَدْ کی دال' عام اس سے کہ سانس جاری رہے جیسا کہ کاف و تاء میں جاری رہتا ہے کیونکہ یہ دونوں حرف مہموسہ و شدیدہ ہیں یا سانس بند ہو جائے جیسا کہ حروف مجہورہ و شدیدہ میں بند ہو جاتا ہے اور یہ چھے حروف ہیں ایک ہمزہ اور پانچ حروف قلقلہ۔

اس کی ضد رخاوت ہے' لغت میں اس کے معنی نرمی کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ

حرف کے ادا کرتے وقت آواز بوجہ ضعف اعتماد مخرج جاری رہے اور نرم ہو جیسے قُرَیْشْ کا شین۔ اس کے سولہ حروف ہیں جو شدیدہ و متوسطہ کے علاوہ ہیں اور ان کو حروف رخوہ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(22)

وَبَیْنَ رِخْوٍ وَّ الشَّدِیْدِ لِنْ عُمَرْ

وَسَبْعُ عُلْوٍ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ حَصَرْ

ت: ”اور درمیان رخاوت و شدت کے حروف لِنْ عُمَرْ ہیں اور سات حروف استعلاء کے (ترکیب) خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ میں منحصر ہیں۔“

ش: ﴿قولہ﴾: وَبَیْنَ رِخْوٍ الخ یعنی رخاوت و شدت کے درمیان ایک اور صفت توسط ہے اور یہ کوئی مستقل صفت نہیں ہے بلکہ اس کے حرفوں میں کچھ رخاوت اور کچھ شدت پائی جاتی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ان حروف میں نہ تو آواز پوری طرح ان کے مخرج میں بند ہوتی ہے اور نہ دیر تک جاری رہتی ہے جیسے قُلْ کا لام۔ ایسے حروف پانچ ہیں جن کا مجموعہ لِنْ عُمَرْ ہے اور ان کو حروف متوسطہ و بینیہ کہتے ہیں۔ اور کاف و تاء میں جو آواز بند ہو کر کچھ سانس جاری رہتا ہے وہ ضعف ہمس کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ دونوں مہموسہ و شدیدہ ہیں جیسا کہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔

اور اگر تم یوں کہو کہ ہمس و شدت میں تو تناقض معلوم ہوتا ہے اس واسطے کہ ہمس میں جریان نفس پایا جاتا ہے اور یہ مستلزم ہے جریان صوت کو اور شدت میں احتباس صوت ہے اور یہ مستلزم ہے احتباس نفس کو تو پھر کاف و تاء مہموسہ و شدیدہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شدت فی آنٍ اور ہمس فی زمانٍ آخر ہے (یعنی شدت ایک وقت میں اور ہمس دوسرے وقت میں ہے) جس کا یہ مطلب ہے کہ کاف و تاء میں صفت شدت باعتبار ابتدا کے پائی جاتی ہے اور ہمس باعتبار انتہا کے، اور تناقض میں اتحاد زمانہ شرط ہے اور وہ اس جگہ مختلف ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

﴿قولہ﴾: سَبْعُ عُلْوٍ الخ بضم العین و کسرھا ای حصر سبع علو حروف خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ یعنی وہ حروف کہ جن میں صفت استعلاء پائی جاتی ہے سات ہیں کہ جو خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ میں مرکب ہیں اور ان کو حروف مستعلیہ کہتے ہیں۔ خُصَّ بضم الخاء المعجمہ کے معنی البیت من القصب کے ہیں اور ضَغْطٍ بمعنی الضیق اور قِظْ امر ہے۔ قاظ بالمکان اذا اقام فیہ سے والمعنی اقم وقت حرارۃ الصیف فی خص ذی ضغط ای اقنع من الدنیا بمثل ذلك وما قاربہ ولا تغتر بزینتھا وزخارفھا فان مآلك الی الخروج منھا کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل و قال بعض شراح الجزریۃ ومعنی ھذہ الکلمات خص القبر بالضغطۃ والحصر قظ ای تیقظ من غفلتك واعمل لآخرتك واللہ تعالیٰ اعلم۔

استعلاء کے لغوی معنی ارتفاع اور علو کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا کے وقت زبان اوپر کے تالو کی طرف مرتفع ہو۔ جیسے خُسْرٍ کی خاء۔ علامہ مرعشیؒ کہتے ہیں کہ استعلاء کی تعریف میں معتبر زبان کی جڑ کا تالو کی طرف اٹھنا ہے عام اس سے کہ بقیہ زبان اس کے ساتھ اٹھے یا نہ اٹھے۔ اس کی ضد استفال ہے اور اس کے حرفوں کو مستفلہ کہتے ہیں۔ حروف مستعلیہ کے سوا سب حروف مستفلہ ہیں۔ استفال کے لغوی معنی انخفاض (پستی۔ جھکنا) کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا کے وقت زبان تالو کی طرف بلند نہ ہو بلکہ اس میں انحطاط پایا جائے جیسے سَوْفَ کا سین۔

(23) وَصَادُ ضَادٌ طَآءُ ظَآءٌ مُّطْبِقَهْ
وَفِرَّ مِنْ لُّبِّ الْحُرُوْفُ الْمُذْلَقَهْ

ت: ''اور صاد و ضاد و طاء و ظاء حروف مطبقہ ہیں اور حروف مذلقہ فَرَّ مِنْ لُبٍّ (کا مجموعہ)

ہے۔"

ش: ﴿قولہ﴾: وَصَادُ ضَادٌ الخ بترك تنوين الاول والثالث للوزن اور ﴿قولہ﴾ مُطْبِقَةٌ بفتح الباء وکسرہا دونوں طرح صحیح ہے' اوران حروف اربعہ کا مجموعہ عدم حصول معنی اور زبان پر ثقیل ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ حروف جو صفت اطباق کے ساتھ متصف ہیں چار ہیں۔ ص — ض — ط — ظ اوران کوحروف مطبقہ کہتے ہیں۔ اطباق کے لغوی معنی الصاق کے ہیں اوراصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا کرتے وقت زبان اپنے مقابل تالو سے لپٹ جائے جیسے مُطْمَئِنَّةٌ کی طاء۔ وقال المرعشى الاطباق فى الاصطلاح على ما يشعر به كلام الجار بردى استعلاء اقصى اللسان ووسطه الى جهة الحنك الاعلىٰ وانطباق الحنك على وسط اللسان بحيث ينحصر الصوت بينهما والله اعلم اس کی ضد انفتاح ہے۔ لغت میں اس کے معنی افتراق کے ہیں اوراصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا کرتے وقت زبان تالو سے جدا رہے یعنی ان دونوں کے درمیان اتنا انفتاح پایا جائے کہ ہوا خارج ہو سکے جیسے كَذٰلِكَ کا کاف اس کے پچیس حروف ہیں جو حروف مطبقہ کے علاوہ ہیں اوران کو منفتحہ کہتے ہیں۔

فائدہ: اگر یوں کہا جائے کہ انطباق تالو کا وسط زبان سے اوران دونوں کے درمیان آواز کا منحصر ہونا جیم میں بھی تو پایا جاتا ہے لہٰذا اس کو بھی مطبقہ میں شمار کرنا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اطباق میں اصطلاحاً اقصائے زبان کا بلند ہونا معتبر ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے' اور وہ جیم میں مفقود ہے' فافہم

﴿قولہ﴾: فَرِّمِنْ لُبِّ الخ اى والحروف المذلقة مجموع حروف فَرَّمِنْ لُبِّ وهو بضم اللام وحذف التنوين للوزن على ان من حرف جر

اور معنی اس مجموعہ کے یہ ہیں ھرب الجاھل من ذی لب ای من عاقل کیونکہ لُبْ یعنی عقل بمعنی الفاعل ہے اور ممکن ہے کہ اس کے معنی فر من الخلق من له عقل به عرف الحق کے ہوں ففیه ایماء الی قوله تعالی فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ وقوله سبحانه تعالی وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (قاریؒ)

حاصل یہ ہے کہ فاء وراء ومیم ونون ولام وباء یہ چھ حروف جن کا مجموعہ فَرَّ مِنْ لُبٍّ ہے مذلقہ کہلاتے ہیں کیونکہ یہ صفت اذلاق کے ساتھ متصف ہیں اور ان میں سرعت نطق پایا جاتا ہے اس واسطے کہ ان میں سے بعض ذلق لسان یعنی زبان کے کنارہ سے اور بعض ہونٹ کے کنارہ سے بسہولت جلدی سے ادا ہوتے ہیں۔

اس کی ضد اصمات ہے اور اس کے حرفوں کو جو مذلقہ کے علاوہ بقیہ حروف ہیں مصمتہ کہتے ہیں اصمات کے لغوی معنی منع کے ہیں لان من صمت منع نفسه من الکلام اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ صرف حروف مصمتہ سے ان کلمات کو کہ جن میں چار یا پانچ حرف اصلی ہوتے ہیں بناء کرنا ممنوع ہے لہٰذا ہر اس کلمہ میں کہ جس کی بناء چار یا پانچ حرف سے ہو جیسے سفرجل و جعفر حروف مصمتہ کے ساتھ حروف مذلقہ میں سے کسی حرف کا ہونا ضروری ہے خواہ ایک کا یا زیادہ کا تا کہ اس کے ثقل میں حروف مذلقہ کے سبب سے کہ جو اخف واسہل ہیں کچھ تخفیف آ جائے ولہٰذا عسجد اسی وجہ سے عجمی کہا گیا ہے کہ اس کے تمام حروف اصلی حروف مصمتہ سے ہیں اور اس میں کوئی بھی حرف حروف مذلقہ سے نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حروف مصمتہ بوجہ ثقل نہایت مضبوطی اور جماؤ سے ادا ہوتے ہیں۔ آسانی اور جلدی سے ادا نہیں ہوتے۔ اب اس کے بعد حضرت ناظمؒ صفات غیر متضادہ کو بیان فرماتے ہیں اور یہ سات ہیں۔

(24) صَفِیْرُهَا صَادٌ وَّزَایٌ سِیْنٌ
قَلْقَلَةٌ قُطْبُ جَدٍ وَّ الْلِّیْنُ

ت: ''ان کے حروف صفیر صاد وزاء وسین ہیں اور حروف قلقلہ (کا مجموعہ) قُطْبُ جَدْ ہے اور حروف لین۔''

(25)
وَاوٌ وَّیَـــآءٌ سَــکَـــنَـــا وَانْــفَـتَــحَــا
قَبْــلَهُــمَــا وَالْإِنْــحِــرَافُ صُــحِّــحَــا

ت: ''واؤ اور یاء ہیں جب کہ یہ دونوں ساکن ہوں اور ماقبل ان کا مفتوح ہو اور صفت انحراف صحیح اور ثابت ہے۔''

(26)
فِــی اللَّامِ وَالــرَّا وَبِتَــکْــرِیْــرٍ جُــعِــلْ
وَلِــلتَّــفَشِّــی الشِّــیْــنُ ضَــادَنِ اسْتَــطِــلْ

ت: ''لام وراء میں۔اور راء تکریر کے ساتھ بھی متصف کی گئی ہے اور صفت تفشی شین کے لئے ہے۔اور ضاد کو مستطیل ادا کرو۔''

ش: ﴿قولہ﴾: صَفِیْرُهَا الخ یعنی حروف صفیر تین ہیں۔صاد مہملہ وزاء وسین مہملہ۔صفیر لغت میں اس آواز کو کہتے ہیں کہ جس سے جانوروں کو بلایا جاتا ہے اور اصطلاح میں وہ ایک زائد آواز ہے کہ جو شفتین کے درمیان سے نکلتی ہے اور ان حروف ثلاثہ کے ادا کے وقت ان کی مصاحب ہوتی ہے اور ان کو حروف صفیر اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں بوقت ادا جو آواز سنائی دیتی ہے وہ پرندوں کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔چنانچہ صاد کی آواز مرغابی کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے اور زاء کی آواز شہد کی مکھی کی آواز کے مشابہ اور سین کی آواز ٹڈی کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔واللہ اعلم

﴿قولہ﴾: قَلْقَلَةٌ الخ یعنی حروف قلقلہ ولقلقہ پانچ حروف ہیں جن کا مجموعہ قُطْبُ جَدْ ہے۔قُطْبُ اصل میں لوہے کی اس کیل کو کہتے ہیں جس پر چکی گھومتی ہے اور اس کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا کہ جس پر کام کا دارومدار ہو اور اس سے قوم کا سردار بھی مراد لیا جاتا ہے کما یقال فلان قطب بنی فلان ای سیدهم الذی یدور علیه امرهم اور جَدْ کے

معنی بخت وعظمت کے ہیں اور یہ مخفف للوزن ہے۔

قلقلہ کے لغوی معنی اضطراب وجنبش کے ہیں اور اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ اس کے حرفوں کے ادا کے وقت ان کے مخرج میں خاص کر سکون کی حالت میں ایک لوٹتی ہوئی آواز معلوم ہو جیسے خَلَقْ کا قاف۔

﴿قولہ﴾: وَالـلِّـیْـنُ الخ یعنی حروف لین دو حرف ہیں واؤ یا ساکن ماقبل مفتوح جیسے خَـوْفٌ وَ بَیْتٌ وغیرہ۔ لین کے معنی لغت میں نرمی کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ اس کے حرفوں کو ایسی نرمی سے ادا کیا جائے کہ زبان کو کوئی کلفت نہ ہو اور اس کے حرفوں کو لینیہ کہتے ہیں کیونکہ ان میں بہ نسبت حروف مدہ کے مدکم اور نرم ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حروف مدہ میں مد اصلی وذاتی ہے اور حروف لین میں جو مد ہوتا ہے وہ تشبیہ کی وجہ سے ہوتا ہے اسی وجہ سے بعض نے حروف لین کو مدہ کے قائم مقام کیا ہے یہاں تک کہ جب ان دونوں کے بعد ایسا سکون واقع ہو کہ جو وقف یا ادغام کی وجہ سے آیا ہو تو ان میں مدٗ توسط وقصر کو جائز رکھا ہے لیکن یہ ترتیب حروف مد میں اولیٰ اور حروف لین میں غیر اولیٰ ہے۔ فافہم

﴿قولہ﴾: وَالْاِنْـحِـرَافُ صُـحِّـحَا بصیغة المجهول والالف الاطلاق ای وصف الانحراف صحح ثبوته فی اللام والرا مقصورا۔ انحراف کے لغوی معنی مائل ہونے اور عدول کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں حرف کا بعد خروج طرف زبان کی طرف مائل ہونا۔ یہ صفت صرف لام وراء میں پائی جاتی ہے اور ان دونوں حرفوں کو منحرفہ کہتے ہیں اس وجہ سے کہ یہ اپنے مخرج سے منحرف ہو کر غیر کے مخرج کے متصل ہو جاتے ہیں۔ پس لام میں تو طرف زبان کے کونے کی طرف اور راء میں پشت زبان کی طرف اور کچھ لام کے موقعہ کی طرف میلان پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ توتلا راء کو لام ادا کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم (ابن غازیؒ)

﴿قولہ﴾: وَبِتَـكْـرِيْـرٍ جُـعِـلْ والضمير فی جعل راجع الی الراء والمعنی ان الراء یوصف بالتکرار ایضًا کما وصف بالانحراف یعنی راء

جس طرح صفت انحراف کے ساتھ متصف ہے اسی طرح صفت تکرار کے ساتھ بھی متصف ہے۔ تکریر کے لغوی معنی کسی شئے کا ایک مرتبہ یا زیادہ مرتبہ لوٹانا۔ اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے اداء کے وقت زبان کے سرے کا تھرا جانا اور یہ صفت راء کے لئے لازم ہے اس معنی میں کہ وہ اس صفت کو قبول کرتی ہے **کقولھم لغیر الضاحک انسان ضاحک یعنی انه قابل للضحک** (قاریؒ) یہ معنی نہیں کہ اس میں اس کو ظاہر کیا جائے بلکہ اس سے احتراز واجب ہے کیونکہ غرض اس سے اس کا ترک ہے نہ کہ اظہار' اور اس کا احتمال اکثر راء مشددہ میں ہوتا ہے لہٰذا اس میں زیادہ اہتمام کی ضرورت ہے' اس کے بعد راء ساکنہ میں' پھر راء متحرکہ میں اور راء متحرک تو اکثر بلا اہتمام بھی درست ادا ہو جاتی ہے۔ علامہ جعبریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ **لَافِظْ** اپنی پشت زبان کو تالو سے مضبوطی کے ساتھ ایک ہی مرتبہ اس طرح ملائے کہ اس میں ارتعاد (لرزہ) نہ پایا جائے ورنہ پھر جتنی مرتبہ ارتعاد ہوگا اتنی ہی مرتبہ ایک راء پیدا ہوگی۔ پس اس صفت کا پہچاننا بغرض اجتناب واجب ہے' عمل کی وجہ سے نہیں جیسا کہ علم سحر کہ اس کا جاننا اس لئے اچھا ہے تاکہ اس کے ضرر سے بچتا رہے اس لئے نہیں کہ اس پر عمل کیا جائے۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾: **وَلِلتَّفَشِّيْ** الخ باب قلب سے ہے **ای صفت التفشی ثابتة للشین** ــ تفشی کے معنی لغت میں انتشار کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا کرتے وقت آواز منہ میں یہاں تک پھیلے کہ مخرج ظاء کے متصل ہو جائے۔ علامہ جزریؒ اور علامہ شاطبیؒ کے نزدیک یہ صفت صرف شین معجمہ کی ہے اور صاحب درر الافکار کے نزدیک شین اور فاء دونوں کی' اور صاحب رعایہ کے نزدیک شین وثا مثلثہ کی ہے' اور بعض کے نزدیک شین معجمہ وضاد معجمہ کی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جیسا کہ شین کے ادا کے وقت آواز منہ میں پھیلتی ہے یہاں تک کہ وہ ظاء کے مخرج کے متصل ہو جاتی ہے اسی طرح ضاد میں بھی آواز پھیلتی ہے حتیٰ کہ وہ لام کے مخرج کے متصل ہو جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صاد وسین مہملہ اور راء میں بھی صفت تفشی پائی

جاتی ہے۔(کذافی التمہید)

علامہ مرعشیؒ کہتے ہیں کہ حاصل اس تمام کا یہ ہے کہ جملہ حروف مذکورہ کثرت انتشار خروج ریح میں مشترک ہیں لیکن شین میں انتشار سب سے زیادہ ہے اسی وجہ سے اس کے تفشی ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور باقی حروف میں چونکہ انتشار بہ نسبت شین کے کم ہے اس لئے اکثر علماء نے ان حروف کو صفت تفشی کے ساتھ متصف نہیں کیا ہے۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾: **ضَادَ نِ اسْتَطِلْ ای استطل انت ای اجعلها حرفا مستطیلا- استطالت** کے لغوی معنی امتداد یا بعد المسافتین کے ہیں۔ اور اصطلاح میں شروع حافہ لسان سے آخر حافۂ زبان تک آواز کا ممتد رہنا جیسا کہ علامہ جعبریؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہ تعریف اولیٰ ہے اس تعریف سے کہ جو بعض رسائل تجوید میں مذکور ہے "**الاستطالة امتداد الصوت وهی فی الضاد**" کیونکہ اس تعریف کی بنا پر امتداد صوت صرف ضاد ہی کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا بلکہ حروف ممدودہ بھی اس درازی آواز میں اس کے ساتھ شریک ہو جائیں گے، اگرچہ حرف مستطیل بمقابلہ حروف ممدودہ ایک الف کے برابر ادا نہ ہو، اور فرق ان دونوں کے درمیان یہ ہے جیسا کہ علامہ جعبریؒ نے کہا ہے کہ حرف مستطیل میں جو امتداد صوت ہوتا ہے وہ اس کے مخرج میں ہوتا ہے اور حروف ممدودہ میں جو ہوتا ہے وہ ان کی ذات میں ہوتا ہے، جس کی توضیح یہ ہے کہ مستطیل کے لئے مخرج طویل ہے کہ جس میں اس کے طول کے موافق جریان صوت ہوتا ہے اور اس سے متجاوز نہیں ہوتا ہے کیونکہ جس حرف کا مخرج محقق ہوتا ہے وہ اپنے مخرج سے متجاوز نہیں ہوتا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے بخلاف حروف ممدودہ کے کہ ان کے لئے کوئی مخرج محقق نہیں ہے بلکہ وہ ہوائے فم پر تمام ہو جاتے ہیں، اس لئے جریان صوت ان کی ذات میں پایا جائے گا نہ کہ مخرج میں اور آواز اس وقت تک منقطع نہ ہوگی جب تک کہ ہوا منقطع نہ ہو۔ واللہ اعلم

فائدہ: جاننا چاہیے کہ صفات متضادہ میں سے پانچ صفتیں جہر' شدت' استعلاء' اطباق' اصمات قوی ہیں اور باقی پانچ ضعیف ہیں۔ اور صفات غیر متضادہ سوائے لین کے سب قوی ہیں۔ پھر ہر حرف پانچ صفتوں کے ساتھ ضرور متصف ہوگا یعنی ہر حرف میں ضدین میں سے کوئی نہ کوئی صفت ضرور پائی جائے گی اور صفات غیر متضادہ بعض حروف میں ہوں گی اور بعض میں نہیں پس جس حرف میں تمام صفات قوی پائی جائیں گی وہ حرف اقویٰ ہوگا جیسے طاء وغیرہ' اور جس حرف میں اکثر قوی اور ضعیف کم ہوں گی وہ قوی ہوگا جیسے صاد مہملہ وغیرہ اور جس حرف میں سب ضعیف ہوں وہ اضعف ہے جیسے فاء وغیرہ اور جس میں اکثر ضعیف اور قوی کم ہوں وہ حرف ضعیف ہے جیسے سین مہملہ وغیرہ اور جس حرف میں دونوں صفتیں برابر کی ہوں وہ متوسطہ ہے جیسے باء وغیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ مَعْرِفَةِ التَّجْوِيْدِ

تجوید سیکھنے کا بیان

(27) وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ حَتْمٌ لَّازِمٌ
مَنْ لَّمْ يُجَوِّدِ الْقُرَاٰنَ اٰثِمٌ

ت: "تجوید کا سیکھنا فرض لازم ہے جس شخص نے صحیح قرآن مجید نہ پڑھا وہ گنہگار ہے۔

ش: ﴿قولہ﴾ وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ الخ ای اخذ القاری بتجوید القراٰن وھو تحسین الفاظه باخراج الحروف من مخارجھا واعطاء حقوقھا من صفاتھا وما یترتب علی مفرداتھا ومرکباتھا فرض لازم وحتم دائم یعنی قرآن مجید کو تجوید سے پڑھنا اور تجوید ہی کے ساتھ سیکھنا اور حاصل کرنا فرض عین ہے' اگرچہ علم تجوید فرض کفایہ اور قرآءت سنت ہے اور دقائق تجوید وہ بے شک مستحسنات میں سے ہیں

اور بقول ملا علی قاریؒ اظہر یہاں بھی یہی ہے کہ حَتْمٌ سے مراد وجوب اصطلاحی لیا جائے کہ جس کے بعض افراد وجوب شرعی پر مشتمل ہیں **كما قال والاظهر ان المراد هنا بالحتم ايضًا الوجوب الاصطلاحي المشتمل على بعض افراده من الوجوب الشرعي لا الجمع بين الحقيقة والمجاز او استعمال المعنيين بالاشتراك كما ذهب اليه الشراح من الشافعية** اور یہ اس لئے کہ لحن کی دو قسمیں ہیں۔(۱) جلی (۲) خفی۔ پس جو غلطی لفظ کو عارض ہو اور معنی کو اور اعراب کو مخل ہو جیسے مجرور کو مرفوع یا منصوب وغیرہ پڑھنا عام اس سے کہ معنی میں کوئی تغیر واقع ہو یا نہ ہو تو یہ لحن جلی کہلاتی ہے اور لحن خفی اس غلطی کو کہتے ہیں کہ جو حرف کو مخل ہو جیسے اخفاء وقلب واظہار وادغام وغنہ کا ترک اور مثل ترقیق مفخم اور اس کا عکس اور مد مقصور وقصر ممدود وامثال ذالک کہ یہ بلا شک فرض عین نہیں ہے کہ جس پر عقاب شدید مرتب ہو البتہ اس میں خوف عقاب وتہدید کا ہے۔ واللہ اعلم (قاری)

﴿قوله﴾ **مَنْ لَّمْ يُجَوِّدِ الْقُرَانَ الخ اى من لم يصحح كما فى نسخة صحيحة بان يقرا قراءة تخل بالمعنى والاعراب كما صرح به الشيخ زكريا رحمه الله تعالىٰ خلافا لما اخذه بعض الشراح منهم ابن المصنف على وجه العموم الشامل للحن الخفى فانه لا يصح كما لا يخفى.** (قاریؒ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے قرآن عزیز کو تجوید سے یعنی صحیح نہیں پڑھا بلکہ اس کو اس طرح پڑھا کہ جس سے معنی واعراب میں خلل واقع ہو اور لحن جلی کی غلطی لازم آئے تو وہ گنہگار ہوگا کیونکہ قرآن کو اس طرح پڑھنا حرام ہے اور فعل حرام موجب عقاب ہے اور اس کا ترک موجب ثواب ہے۔

اب اس کے بعد حضرت ناظمؒ اپنے اس دعویٰ کی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ قرآن عزیز کو تجوید سے پڑھنا کیوں فرض لازم ہے اور وہ یہ ہے:

(28) لِاَنَّـــــهٗ بِــــهِ الْاِ لٰــــهُ اَنْــزَلَا
وَهٰـكَـذَا مِـنْــهُ اِلَــيْـنَـا وَصَلَا

ت: ''اللہ تعالیٰ نے (قرآن کو) تجوید کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور اسی طرح (تجوید کے ساتھ وہ قرآن) اس کی جانب سے ہم تک پہنچا ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ لِاَنَّهٗ بِهِ الْاِ لٰهُ الخ لِاَنَّهٗ کی ضمیر شان ہے یا یہ قرآن کی طرف راجع ہے اور بِهٖ کی ضمیر کا مرجع تجوید ہے۔ اور ﴿قولہ﴾ اَنْزَلَا میں الف اطلاق کا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو تجوید سے پڑھنا فرض لازم اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو تجوید ہی کے ساتھ نازل فرمایا ہے کما قال وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلًا. ای انزلناہ بالترتیل ای التجوید اور نیز تجوید ہی سے قرآن مجید کے پڑھنے کا امر فرمایا ہے کما قال وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا. قال البیضاوی ای جودہ تجویدا وقال غیرہ ای ائت بہ علی تؤدۃ وطمانیۃ وتأمل ورياضة اللسان ای التکرار والمداومة علی القراءۃ بترقیق المرقق وتفخیم المفخم وقصر المقصور ومد الممدود وغیــــر ذلك اور یہ تو ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے مجود و مرتل تھے تو اس آیت میں گو امر کے مخاطب بظاہر آپ ﷺ معلوم ہوتے ہیں لیکن مراد اس سے آپ ﷺ کی امت ہے کقولہ تعالی: فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ. وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ وشبہ ذلك مما لا یخفی علی ذی بصیرۃ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ثابت ہے کہ آپ نے ترتیل کے معنی هو تجوید الحروف و معرفة الوقوف کے فرمائے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنا نہایت ہی ضروری ہے اور اگر کسی نے ترتیل و تجوید سے قرآن مجید نہ پڑھا تو گویا اس نے اس کو اس صفت کے ساتھ نہ پڑھا کہ جس صفت پر وہ نازل ہوا ہے اور نہ وہ اس ثواب کا مستحق ہوگا کہ جس کا وعدہ تلاوت قرآن پر فرمایا گیا

ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو محبوب رکھتا ہے کہ جو قرآن عزیز کو اس طرح پر پڑھے جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے اس کے علاوہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے خود اپنے قول وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۔ میں صرف امر بالفعل پر ہی اکتفا نہیں فرمایا ہے بلکہ اہتمام و تعظیم شان اور ترغیب فی الثواب کی غرض سے اس کے بعد مصدر کو بھی ذکر کیا ہے اور اس سے اس کی تاکید فرمائی ہے تا کہ یہ قرآن کریم کے تدبر اور اس کی تفہیم پر معین ہو۔

اور کیفیت نزول اس طرح پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز کو لوح محفوظ سے بواسطہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور پھر آپ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ترتیلاً و تجویداً حاصل کیا اور ان سے حضرات تابعین نے اور ان سے ائمہ قرآءات نے یہاں تک کہ ہم کو ہمارے مشائخ سے بطریق تواتر اسی طرح سے پہنچا ہے پھر قراء عظام نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کو جمع فرما کر بڑی بڑی کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں اور ان میں تجوید کے تمام قاعدوں کو جمع فرما دیا جس سے ہم کو بڑی مدد ملی اور ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ **فجزاهم الله خير الجزاء۔**

اب اس کے بعد حضرت ناظمؒ تجوید کی عمدگی اور اس کی خوبی کو بیان فرماتے ہیں۔

(29) وَهُوَ اَيْضًا حِلْيَةُ التِّلَاوَةِ
وَزِيْنَةُ الْاَدَآءِ وَالْقِرَآءَةِ

ت: ''اور وہ تجوید (فرض لازم ہونے کے علاوہ) آرائش تلاوت اور زینت ادا و قرآءت بھی ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَهُوَ الخ اس کا مرجع تجوید ہے اور ﴿قولہ﴾ اَيْضًا — **اى مع كونه حتما و ابعد الشارح الرومى فى قوله اى كمخارج الحروف والصفات لانهما داخلان فى تعريف التجويد.**

اور تلاوت واداء میں یہ فرق ہے کہ تلاوت قرآءۃ متتابعہ متوالیہ (مسلسل) کو کہتے ہیں۔ مثل اوراد و وظائف و منازل کے۔ اور اداء کا اطلاق اخذ عن المشائخ پر کیا جاتا ہے اور یہ دو طرح پر ہے ایک یہ کہ استاد پڑھے اور شاگرد سنے' یہ طریقہ متقدمین کا ہے۔ دوسرے یہ کہ شاگرد استاد کے سامنے پڑھے اور وہ سنے۔ یہ متاخرین کا مسلک ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے کون سا طریقہ اولیٰ ہے' سو ظاہر یہ ہے کہ طریقہ ثانیہ ہمارے اہل زمانہ کے لحاظ سے حفظ کے زیادہ قریب ہے اور دونوں طریقوں کو جمع کرنا اعلیٰ و افضل ہے۔ **لما ذکر فی المصابیح انہ جرت السنۃ بین القراء ان یقرأ الاستاذ ویسمع التلمیذ ثم یقرأ التلمیذ** اور قرآءۃ عام ہے جو دونوں کو شامل ہے۔

پھر تجوید کے تین مراتب ہیں۔ (۱) ترتیل' (۲) حدر' (۳) تدویر۔

(۱) ترتیل۔ نہایت اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کو کہتے ہیں اور یہ مذہب امام ورشؒ و امام عاصمؒ اور امام حمزہؒ کا ہے۔

(۲) حدر۔ جلدی جلدی پڑھنا لیکن نہ اس قدر کہ جس سے حروف و حرکات صاف سمجھ میں نہ آئیں اور ایک دوسرے میں خلط ہو جائیں اور یہ مذہب امام قالونؒ و امام ابن کثیرؒ و امام ابو عمرو بصریؒ کا ہے۔

(۳) تدویر۔ ان دونوں کے درمیانی طور پر پڑھنے کا نام ہے' اور یہ مذہب امام ابن عامرؒ و امام کسائیؒ کا ہے۔ واللہ اعلم

اب اس کے بعد حضرت ناظمؒ تجوید کی تعریف اصطلاحی بیان فرماتے ہیں اور اس سے پہلے جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ اس کا وصف اور لغت ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

(30) وَهُوَ اِعْطَآءُ الْحُرُوْفِ حَقَّهَا
مِنْ صِفَةٍ لَّهَا وَ مُسْتَحَقَّهَا

ت: ''اور وہ (تجوید) دینا ہے حرفوں کو ان کا حق و مستحق ان صفات سے جو ان کے لئے لازم و عارض ہیں۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَهُوَ اِعْطَآءُ الْحُرُوْفِ الخ ای التجوید هو اعطاء الحروف بعد احسان مخارجها و تمكينها فی محا يزها حقها من كل صفة من صفاتها المتقدمة و اعطائها مستحقها من تفخيم و ترقيق و سائر اوصافها الاتية. (قاریؒ) یعنی تجوید یہ ہے کہ حرفوں کو بعد درستگی مخارج ان کا حق و مستحق دیا جائے حق سے مراد وہ صفات لازمہ ہیں کہ جن کا بیان اوپر گزر چکا ہے مثل جہر و ہمس و شدت و رخاوت وغیرہ کے۔ اور مستحق سے مراد وہ صفات ہیں کہ جو ان صفات لازمہ سے پیدا ہوتی ہیں جیسے مستفل کی ترقیق اور مستعلی کی تفخیم۔ و نحو ذلك من ترقيق الراء ات و تفخيم بعضها و كذا حكم اللامات یا وہ کسی دوسرے حرف کے ملنے سے پیدا ہوں جیسے اظہار و ادغام و اخفاء و قلب وغیرہ۔

یہاں حضرت مصنفؒ کی اس تعریف پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حرفوں کو ان کے مخارج سے نکالنا بھی تو تجوید کی تعریف میں داخل ہے جیسا کہ حضرت ناظمؒ نے اپنی کتاب التمہید میں اس کی تصریح کی ہے' لہٰذا اس کا یہاں ذکر کرنا مناسب تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حروف اس وقت تک متحقق نہیں ہو سکتے ہیں جب تک کہ ان کو ان کے صحیح مخارج سے نہ ادا کیا جائے اور اس کا اعتبار نہ کیا جائے' اور یہ تجوید کی اس تعریف کے ضمن میں خود ہی پایا جاتا ہے دوسرے یہ کہ اگلے بیت میں حضرت مصنفؒ نے مخرج ہی کو بیان فرمایا ہے۔

پھر اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ مخرج کا بیان صفت کے بیان سے مقدم ہونا چاہیے تھا کیونکہ اول بیان حقیقت اور ماہیت کا ہوا کرتا ہے اور پھر اس کے بعد صفت و کیفیت کا ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہاں وَرَدٌّ كُلِّ وَاحِدٍ میں واؤ مطلق جمعیت کے لئے ہے ترتیب کے لئے نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(31) وَرَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ لِّأَصْلِهٖ
وَاللَّفْظُ فِيْ نَظِيْرِهٖ كَمِثْلِهٖ

ت: ''اور لوٹانا ہر حرف کو اس کی اصل (مخرج) کی طرف اور لفظ اپنی نظیر میں اپنے مثل کی طرح ہوتا ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَرَدُّ كُلَّ وَاحِدٍ الخ ای ان التجوید هو رد کل واحد من الحروف لا صله ای صرفه الی اصل من حيزه و مخرجه اور مراد نظیر اور مثل سے اس جگہ ایک ہی ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اولیٰ یہ تھا کہ یوں ذکر کیا جاتا واللفظ فی شبیهه کمثله اور کاف كَمِثْلِهٖ میں زائدہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تجوید میں اس امر کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ الفاظ کی ادائیگی میں مساوات پائی جائے یعنی جس طرح کہ اولاً ایک لفظ ادا کیا گیا ہے' اگر دوسرا لفظ اس جیسا آئے تو اس کو بھی اس طرح ادا کرنا چاہیے جیسا کہ اول کو ادا کیا ہے مثلاً ایک حرف پُر یا باریک یا مشدد یا مقصور یا ممدود یا مظہر یا مدغم وغیرہ ادا کیا اور دوسرا حرف اس کے ہم مثل آیا تو اس کو بھی بلا تفاوت اسی طرح ادا کرنا چاہیے جیسا کہ پہلے کو ادا کیا ہے تاکہ دونوں مساوی ادا ہوں ایسا نہ ہو کہ ایک کو اچھی طرح ادا کیا اور دوسرے کو اس کے خلاف کہ یہ جائز اور درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(32) مُكَمِّلًا مِّنْ غَيْرِ مَا تَكَلُّفِ
بِاللُّطْفِ فِي النُّطْقِ بِلَا تَعَسُّفِ

ت: ''اس حال میں کہ وہ لَافِظُ (قاری) کامل کرنے والا ہو (حروف کی صفات کو حقاً و مستحقاً) بغیر تکلف کے عمدگی کے ساتھ نطق میں بلا زیادتی یا کمی کے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ مُكَمِّلًا- بكسر الميم ای حال كون اللافظ مكمل الصفات حقًا واستحقاقًا او بفتح الميم ای حال كون الملفوظ مكمل

الاداء مخرجًا و صفةً من غير تكلف وارتكاب مشقة فی قراءته بالزيادة على اداء مخرجه و المبالغة فی بيان صفة وما زائدة لتاكيد النفی. (قاریؒ)

﴿قولہ﴾ بِاللُّطْفِ' ای وان يتلفظ فی نطقه بالقراءة بلا خروج عن استقامة جادة الاداء الى طرفی الافراط والتفريط.

خلاصہ یہ ہے کہ قاری حرفوں کو ان کے مخارج سے مع جمیع صفات کے خواہ وہ صفات لازمہ ہوں یا صفات عارضہ کامل طور پر خوش آوازی اور عمدہ لہجہ سے بلا تکلف ادا کرے اور ان میں خلاف قاعدہ زیادتی یا کمی نہ کرے، جس کے یہ معنی ہیں کہ حروف کو ترتیل میں تمطیط سے اور حدر میں ادماج اور تخلیط سے محفوظ رکھے کیونکہ قرآءت بمنزلہ بیاض (سفیدی) کے ہے اگر کم ہو تو وہ گندمی کہلاتا ہے اور جو زیادہ ہو تو اس کو برص کہتے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید کو اپنے طرز طبعی کے موافق حتی الامکان خوش آوازی سے اس طرح بلا تکلف پڑھنا چاہیے جیسا کہ اہل عرب پڑھتے ہیں اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْفِسْقِ وَالْكَبَآئِرِ فَاِنَّهٗ سَيَجِيْءُ اَقْوَامٌ مِّنْۢ بَعْدِيْ يُرَجِّعُوْنَ الْقُرْاٰنَ تَرْجِيْعَ الْغِنَآءِ وَالرَّهْبَانِيَةِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ مَنْ يُّعْجِبُهُمْ شَأْنُهُمْ.

پس اس حدیث میں الحان اہل عرب سے مراد انسان کی وہ قرآءت ہے جو اس کی طبعی و جبلی آواز کے موافق ہو، جیسا کہ اہل عرب کا طریقہ ہے کہ وہ قرآن شریف کو اپنی طبعی و جبلی آواز سے بلا زیادتی و کمی کے تلاوت فرماتے ہیں اور مراد الحان اہل الفسق والکبائر سے انغام (گانا) ہے جو قواعد موسیقیہ سے مستفاد ہوتا ہے۔ پس اگر کسی نے نغمہ کی رعایت کرتے ہوئے اس طرح پڑھا

کہ اس میں صحت الفاظی نہ پائی گئی اور مد کی جگہ قصر اور قصر کی جگہ مد کر دیا وغیرہ ذلک تو اس طرح پڑھنا حرام ہے اور اگر نغمہ کے ساتھ بلا افراط وتفریط اس طرح پڑھا جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے یعنی اس میں صحت الفاظی پائی جائے تو یہ مکروہ ہے اور اس صورت میں امر ندب پر اور نہی کراہت پر محمول ہوگی اور **والقوم الذين لا تجاوز حناجر هم الخ** سے مراد وہ قوم ہے کہ جو نہ اس میں تدبر کرے گی اور نہ عمل اور من جملہ عمل کے ترتیل اور کما حقہ تلاوت بھی ہے۔

ونقل الزيلعي من الائمة الحنفية انه لا يحل التطريب فيه ولا الاستماع اليه لان فيها تشبها بفعل الفسقة في حال فسقهم وهو التغني ولا يعكر عليه قوله صلى الله عليه وسلم ليس منا من لم يتغن بالقران لان المراد بالتغني به الاستغناء على ما اختاره سفيان بن عيينه ونقله شارح المصابيح او المراد به تحسين الصوت و تزيينه على وفق التجويد و تبيينه لقوله صلى الله عليه وسلم زينوا القران باصواتكم. (قاری ملخصًا)

اس زمانہ میں اکثر افراد نغمہ ہی کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور اس کو تجوید کا جزو یا لوازم تجوید سے سمجھتے ہیں، یہ سخت غلطی ہے۔ نغمہ کو تجوید میں کوئی دخل نہیں ہے اور نہ یہ مقصود اصلی ہے کیونکہ غرض حصول تجوید سے قرآن عزیز کی صحت الفاظی ہے تا کہ اس سے صحیح معنی کا ظہور ہو اور پھر اس کے معنی میں تدبر کیا جا سکے **كما قال الله تعالىٰ كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ" والله اعلم**

(33)

وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ تَرْكِهٖ

اِلَّا رِيَاضَةُ امْرِیءٍ بِفَكِّهٖ

ت: "اور نہیں ہے درمیان تجوید اور ترک تجوید کے کوئی فرق مگر ریاضت آدمی کی اس کے جبڑے

یعنی منہ کے ساتھ۔‘‘

ش: ﴿قولہ﴾ وَلَيْسَ بَيْنَهُ الخ ای لیس بین التجوید وترکہ فرق بمعنی فارق المدا ومتہ امرئ علی التکرار وسماعہ من الفاظ المشائخ الحذاق الابرار لا مجرد اقتصار علی النقل من الکتب المدونۃ او اکتفاء بالعقل المختلف الافکار۔

خلاصہ یہ ہے کہ تجوید کے حاصل کرنے اور نہ کرنے میں کوئی ایسا فرق نہیں ہے کہ جس سے تجوید کا حاصل کرنا دشوار اور مشکل معلوم ہو صرف کچھ عرصہ تک مشق اور ریاضت کرنی پڑتی ہے اور اپنے مشائخ کی زبان سے الفاظ قرآنی کو سن کر ان کو اسی طرح ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن پوری پابندی اور پوری توجہ کے ساتھ ورنہ پھر اس کا حاصل کرنا مشکل ہے۔ تجوید محض کتابوں کے دیکھنے یا سننے یا پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہو سکتی ہے، تاوقتیکہ پوری طرح مشق وغیرہ نہ کرے، البتہ ان سے مدد ضرور ملتی ہے۔

فتنبہ:

یا اخی وایقظ ہمتك وحرك عزیمتك واستعد لفہم ما یلقی الیك وقبول ما یملی علیك فان الناس فی قراءۃ القران بین محسن ما جور ومسیئ اثم او معذور فانظر ممن انت فان کنت ممن ہو محسن فاشکر اللہ تعالی فانك ما جور وان کنت ممن ہو مستغن بنفسہ مستبد برایہ وحدسہ متکل علی ما الفہ من حفظہ مستکبر عن الرجوع الی عالم یوقفہ علی تصحیح لفظہ فلا شك انك مقصر معذور ومسیئ اثم غیر معذور فان کنت ممن لا یطاوعہ اللسان اولا یجد من یہدیہ الی الصواب بالبیان فاعلم ان اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ

نفسًا الا و سعها لكن يجب عليك ان تجتهد جهدك لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا فان العمل بالتجويد فرض عين لازم لكل من يقرا شيئًا من القران لا سيما فی الصلوة لان الله تعالیٰ انزله بالتجويد حيث قال ورتل القران ترتيلًا ای جوده تجويدًا فاذا كان التجويد فرضا فيه يكون ما ينافيه وهو اللحن حرامًا فيه. (بر کویؒ)

﴿قولہ﴾ بِفَكِّهٖ (اپنے جبڑے سے) اس سے مراد بفمہ ہے (یعنی اپنے منہ سے) هذا من اطلاق الجزء على الكل ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والاظهر ان المراد به ذكر المحل وارادة الحال وهو اللسان المعتبر للبيان هذا۔

اب اس کے بعد حضرت مصنفؒ تجوید کے وہ احکام اور قواعد بیان فرماتے ہیں جو صفات مذکورہ بالا سے پیدا ہوتے ہیں۔

بَابُ اِسْتِعْمَالِ الْحُرُوْفِ

حرفوں کی عملی ادائیگی کا بیان

(34) فَرَقِّقَنْ مُّسْتَفِلًا مِّنْ اَحْرُفٖ
وَحَاذِرَنْ تَفْخِيْمَ لَفْظِ الْاَلِفٖ

ت: ”پس باریک پڑھو حروف مستفلہ کو اور لفظ الف کے پر کرنے سے بچو۔“

ش: ﴿قولہ﴾ فَرَقِّقَنْ الخ بالنون المو كدة المخففة یعنی جملہ حروف مستفلہ جو سات حروف مستعلیہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے علاوہ ہیں وہ سب ہمیشہ باریک ہی پڑھے جاتے ہیں خواہ وہ متحرک ہو یا ساکن مگر الف اور راء اور اللہ کا لام یہ کبھی باریک اور کبھی پُر پڑھے جاتے ہیں جیسا کہ آئندہ اپنے موقعہ پر ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔ اور حروف مستعلیہ ہر حال میں پُر ہی

پڑھے جائیں گے۔

﴿قولہ﴾ حَاذِرَنْ الخ بالنون المخففة المو كدة و فی نسخة بالتنوين حاذرًا فالتقدير كن حاذرًا۔

خلاصہ یہ ہے کہ الف اگرچہ حروف مستفلہ میں سے ہے مگر چونکہ یہ بذات خود نہ مرقق ہوتا ہے اور نہ مفخم بلکہ اپنے ماقبل حرف کے تابع ہوتا ہے یعنی اگر اس کا ماقبل حرف مرقق ہے تو یہ بھی مرقق ہوگا اور اگر اس کا ماقبل حرف مفخم ہے تو یہ بھی مفخم ہوگا اور یہ اس لئے کہ الف اپنے ماقبل حرف کے لئے لازم ہوتا ہے بدلیل وجودها بوجوده و عدمها بعدمه اور یہی وجہ ہے کہ اس کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔

پس جب الف حروف مستعلیہ یا اس کے مشابہ حروف کے بعد واقع ہو۔ (مثل راء مفتوحہ کے کیونکہ یہ طرف لسان اور اس کے مقابل اوپر کے تالو سے نکلتی ہے اور تالو محل حروف استعلاء ہے) تو اس وقت الف پُر ہوگا اور جب یہ حروف مستفلہ کے بعد واقع ہو تو باریک ہوگا اور اس کو اس وقت تفخیم سے بچانا ضروری ہے کہ حضرت مصنفؒ نے اپنے قول وَ حَاذِرَنْ سے اس کی تنبیہ کی ہے۔

اور جس شخص نے یہ کہا ہے کہ بالخصوص حروف مستعلیہ کے بعد واقع ہونے کی صورت میں اس کی ترقیق کی محافظت کرنی چاہیے وہ غیر معتبر ہے' ٹھیک وہی ہے کہ جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور اسی پر حضرت مصنفؒ کا قول محمول کیا جائے گا اگرچہ وہ مطلق ہے' لیکن مناسب یہی ہے کہ امام جزریؒ کے قول اور دیگر محققین کے قول میں تطبیق دیتے ہوئے اس کو مقید ہی سمجھا جائے یعنی جب کہ وہ حروف مفخمہ کے بعد واقع نہ ہو۔

اب اگر یوں کہا جائے کہ حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب التمہید میں بیان کیا ہے کہ الف کی تفخیم اس صورت میں جب کہ وہ حرف استعلاء کے بعد واقع ہو خطا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ قول وَ حَاذِرَنْ تَفْخِيمَ لَفْظِ الْإِلِف مطلق ہے مقید نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے

کہ حضرت مصنفؒ کا یہ قول ضعیف ہے اور اس کا ضعف خود حضرت مصنفؒ کی کتاب ''النشر'' سے ظاہر ہوتا ہے' چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ الف جب حروف مفخمہ کے بعد واقع ہو تو اتبـاعـا لـمـا قبلها مفخم ہوگا مثل طَالَ وَقَالَ وَعَصَا کے۔اور ان کا یہ قول معتبر ہے اس واسطے کہ کتاب التمہید عنفوان شباب اور شروع زمانہ کی تصنیف شدہ ہے اور کتاب النشر جو نہایت معتبر کتاب ہے زمانہ شیخوخیت کی عمدہ اور بہترین تصنیف ہے۔

اور بعض آئمہ کے کلام میں جو مطلقاً ترقیق پائی جاتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ الف کی ادائیگی میں اس قدر مبالغہ نہ کیا جائے کہ وہ مثل واؤ کے ہو جائے جیسا کہ بعض اہل عجم ادا کرتے ہیں لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم

(35) وَهَـمْـزَ اَلْـحَـمْـدُ اَعُـوْذُ اِهْـدِنَـا
اَلـلّٰـهِ ثُـمَّ لَامَ لِـلّٰـهِ لَـنَـا

ت: ''اور باریک پڑھو اَلْحَمْدُ کی ہمزہ اور اَعُوْذُ۔ اِهْدِنَا اور اَللّٰه کی ہمزہ کو اور لِلّٰهِ کے لام اور لَنَا کے لام کو۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَهَمْزِ اَلْحَمْدُ الخ ترکیب میں علی تقدیر ''فَرَقِّقَنْ'' همز اَلْحَمْدُ منصوب ہے۔اور اس کو مجرور پڑھنا بھی جائز ہے' تقديره وَحَاذِرًا تَفْخِيْمَ هَمْزَ الْحَمْدِ و قطع همزة وصل اَلْحَمْدُ ضرورة و رفع الحمد كفاية ويجوز اعرابه لو ثبت رواية.

خلاصہ یہ ہے کہ ہمزہ کو ان چار مقام میں خصوصیت سے باریک اور صاف پڑھنا چاہیے عام اس سے کہ وہ حروف مرققہ کے قریب واقع ہو جیسے اَلْحَمْدُ۔ اَعُوْذُ۔ اِهْدِنَا یا حروف مفخمہ کے جیسے اَللّٰهُ یا حروف رخوہ کے جیسے اِهْدِنَا کی ہاء یا حروف متوسطہ کے جیسے اَلْحَمْدُ کا لام اور اَعُوْذُ کا عین۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو صاف اور احتیاط سے نہ ادا کیا گیا تو یہ عین سے بدل

جاتا ہے کما هو مسموع عن بعض الجهلة عند قراء تها۔ دوسرے یہ کہ ہمزہ مجہورہ وشدیدہ ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ان حروف کی مجاورت وقربت کی وجہ سے ان میں مختلط ہو جائے اور اس کی صفت جہر وشدت جاتی رہے اور چونکہ ان حروف مذکور میں خاص طور سے یہ بات پائی جاتی تھی اس لئے حضرت مصنفؒ نے ان کو ذکر کر دیا ورنہ ان کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر جگہ اس کا خیال رکھا جائے کہ کوئی حرف کسی دوسرے حرف میں مخلوط نہ ہو جائے اور اس سے بدل نہ جائے۔

﴿قولہ﴾ اَللّٰهِ بالجر ای همز الله فی الابتداء ووصلاحالة النداءِ لمجاورتها اللام المفخمة فی الاداء یعنی لفظ اَللّٰهِ کی ہمزہ کو بھی باریک پڑھنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ لام مفخمہ کی مجاورت کی وجہ سے پُر ہو جائے جیسا کہ اکثر خیال نہ کرنے سے ایسا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لِلّٰهِ کے لام کو بسبب کسرہ کے کہ جو موجب ترقیق ہے اور لَنَا کے لام کو نون کی مجاورت کی وجہ سے باریک پڑھنا چاہیے۔ واللہ اعلم

(36) وَلْيَتَلَطَّفْ وَعَلَى اللّٰهِ وَلَا الضّ
وَالْمِيْمَ مِنْ مَّخْمَصَةٍ وَّمِنْ مَّرَضْ

ت: ''اور باریک پڑھو وَلْيَتَلَطَّفْ کے دونوں لام کو اور عَلٰی کے لام اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے پہلے لام کو اور مَخْمَصَةٍ کے دونوں میم اور مَرَضْ کے میم کو۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَلْيَتَلَطَّفْ الخ ای فرققن او حاذرًا تفخيم لامی وَلْيَتَلَطَّفْ یعنی وَلْيَتَلَطَّفْ کے ہر دو لام کو باریک پڑھنا چاہیے۔ پہلے کو بوجہ مجاورت یاء رخوہ کے اور دوسرے کو اس وجہ سے کہ وہ طاء مستعلیہ کے قریب واقع ہوا ہے کہیں پُر نہ ہو جائے' باریک پڑھیں گے۔ اور جنہوں نے لام ثانیہ کی تفخیم کو اس وجہ سے جائز رکھا ہے کہ یہ تاء وطاء کے درمیان واقع ہوا ہے صحیح نہیں ہے کما قطع به الجعبری وفاقا لغيره من المحققين۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اسی طرح عَلَى اللّٰهِ میں عَلٰی کے لام کو اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں لام اولی کو باریک پڑھنا چاہیے تا کہ عَلٰی کا لام لفظ اللّٰهِ کے لام کی مجاورت کی وجہ سے کہ وہ پُر ہے اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا لام بوجہ ضاد مستعلیہ مفخمہ کے پُر نہ ہو جائے۔

اور یاد رکھو کہ حضرت مصنفؒ نے جو کلمہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کو قطع کیا ہے وہ ضرورت شعری کی وجہ سے کیا ہے ورنہ کلمہ کا اس طرح قطع کرنا بحالت اختیار نہ قرآءۃً جائز ہے اور نہ کتابۃً البتہ اضطرار کی حالت میں ایسا کرنا درست ہے۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾ وَالْمِيْمَ الخ یعنی مَخْمَصَةٍ کے دونوں میم کو اور اسی طرح مَرَضٌ کے میم کو باریک پڑھو، ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ حروف مفخمہ کی مجاورت کی وجہ سے پر ہو جائیں۔

37 وَبَــآءِ بَــرْقٍ بَــاطِـلٍ بِهِـمْ بِـذِیْ
وَ احْـرِصْ عَــلَـى الـشِّـدَّةِ وَالْجَهْرِ الَّذِیْ

ت: ''اور باریک پڑھو بَرْقٍ – بَاطِلٍ – بِهِمْ – بِذِیْ کی باء کو اور خواہش و کوشش کرو صفت شدت و جہر کے ادا کرنے کی جو کہ

38 فِيْهَــا وَ فِـى الْـجِيْـمِ كَـحُـبِّ الـصَّبْـرِ
رَبْــوَةٍ اجْـتُـثَّـتْ وَحَـجِّ الْــفَـجْـرِ

ت: ''اس باء میں اور جیم میں پائی جاتی ہے جیسے كَحُبِّ اللّٰهِ – اَلصَّبْرِ اور رَبْــوَةٍ وَ اجْتُثَّتْ اور حَجِّ وَ اَلْفَجْرِ۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَبَــآءِ بَـرْقٍ الخ یعنی ایسے ہی بَـرْقٍ کی باء کو باریک پڑھو تا کہ یہ راء مفخمہ بالخصوص قاف حرف مستعلیہ کی وجہ سے کہ جو راء کے بعد واقع ہے پُر نہ ہو جائے اسی طرح بَـاطِلٍ کی باء کو باریک ادا کرو تا کہ طاء مستعلیہ کی وجہ سے پُر نہ ہو جائے اور الف جو کہ بَـاطِلٍ کی باء و طاء

کے درمیان فاصل ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا ہے بلکہ وہ نہ ہونے کے برابر ہے اسی طرح بِهِمْ - بِذِیْ کی باء کو حروف رخوہ یا حرف خفی کہ وہ ہا ہے اور حرف ضعیف کی مجاورت کی وجہ سے کہ وہ ذال ہے باریک پڑھو۔

﴿قولہ﴾ وَاحْرِصْ (وفی نسخة فَاحْرِصْ) یعنی حروف مجہورہ وشدیدہ میں سے جو باء وجیم ہیں ان میں خصوصیت سے صفت شدت و جہر اچھی طرح ظاہر کی جائے کیونکہ اگر ان میں یہ دونوں صفتیں نہ ادا کی جائیں گی تو باء مشابہ فاء اور جیم مشابہ شین ادا ہوگا۔ اور جیم کو خصوصیت سے بیان کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہل مصر وشام اس کو اس کے مخرج سے ادا نہیں کرتے ہیں بلکہ اس طرح ادا کرتے ہیں کہ زبان منتشر ہو جاتی ہے جس سے جیم مشابہ شین کے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اہل یمن اس کے ادا کرتے وقت مخرج میں زبان کو مرتفع کر دیتے ہیں جس سے وہ کاف کے مشابہ ہو جاتا ہے بالخصوص جب کہ اس کے بعد بعض حروف مہموسہ واقع ہوں اس لئے اس میں صفت جہر وشدت کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔

باء کی مثال جیسے قولہ تعالیٰ: يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ اور وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ - رَبْوَةٍ وغیرہ۔ اور جیم کی مثال جیسے قولہ تعالیٰ: خَبِيْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ اور اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ اور حَجُّ الْبَيْتِ اور وَالْفَجْرِ وغیرہ ہے۔

تنبیہ: واضح ہو کہ كَحُبِّ الصَّبْرِ میں اضافت یا تو وزن شعر کی وجہ سے ہے یا بادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ دونوں مثالیں باء موحدہ کی ہیں اور قولہ اَلصَّبْرِ بغیر عاطف اس کا معطوف ہے اور ﴿قولہ﴾ حَجِّ الْفَجْرِ کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے یعنی اس میں بھی اضافت یا تو وزن شعر کی وجہ سے ہے یا بادنیٰ ملابست ہے۔ واللہ اعلم

39

وَبَيِّنَنْ مُّقَلْقَلًا اِنْ سَكَنَا
وَاِنْ يَّكُنْ فِي الْوَقْفِ كَانَ اَبْيَنَا

ت: ''اور خوب ظاہر کر کے پڑھو حرف مقلقل (کے سکون) کو اگر وہ ساکن ہو اور اگر یہ سکون وقف میں ہو تو پھر یہ مقلقل یا تقلیل یعنی قلقلہ زیادہ ظاہر ہوگا۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَبَيِّنَنْ الخ بالنون الخفيفة اى بين بيانا تاما سكون حرف مقلقل من الحروف القلقلة المتقدمة المجموعة فى قُطْبُ جَدْ ان سكن الحروف المقلقلة بسكون اصلى لازمى لا يختلف حاله اصلا لا وقفا ولا وصلا نحو يَقْطَعُوْنَ - فِطْرَةً - رَبْوَةٍ - اَلْفَجْرِ - يَدْخُلُوْنَ (قاریؒ) یعنی حروف قلقلہ میں سے (کہ جن کا مجموعہ قُطْبُ جَدْ ہے) کوئی حرف ساکن بسکون اصلی لازمی ہو جیسے يَقْطَعُوْنَ وغیرہ تو اس کے سکون یعنی قلقلہ کو ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے اور اگر سکون وقفی ہو یعنی خواہ وقف کی وجہ سے سکون آیا ہو یا پہلے ہی سے بسکون اصلی ہو اور پھر اس پر وقف کیا جائے جیسے فَارْغَبْ وغیرہ اس وقت قلقلہ اچھی طرح ظاہر کیا جائے گا جیسے بَرْق و مُحِيْطٌ وغیرہ۔ چنانچہ حضرت ناظمؒ نے اپنے قول وان يكن (السكون) فى الوقف كان (المقلقل والمتقلقل) اَبْيَنَا (بالف الاطلاق اى اكثر بيانا و اظهر عيانا من القلقلة عن سكونها لغير الوقف) سے اسی کو بیان فرمایا ہے۔

شارح مصریؒ کا یہ قول کہ مَنْ لَّمْ يَتُبْ اور اِنْ يَّسْرِقْ وغیرہ میں جو سکون آیا ہے وہ وقف کی وجہ سے ہے قواعد عربیہ کے خلاف ہے اس لئے کہ یہاں سکون بوجہ حرف جازم کے آیا ہے، وقف کی وجہ سے نہیں، پس یہ حکم میں سکون لازمی کے ہے۔ واللہ اعلم

(40) وَحَاۤءَ حَصْحَصَ اَحَطْتُّ الْحَقُّ
وَسِيْنَ مُسْتَقِيْمَ يَسْطُوْا يَسْقُوْا

ت: ''اور خوب ظاہر کر کے پڑھو حَصْحَصَ اور اَحَطْتُّ اور اَلْحَقُّ کی حاء کی ترقیق کو اور

اسی طرح مُسْتَقِیْمَ اور یَسْطُوْنَ - یَسْقُوْنَ کے سین کی ترقیق کو۔

ش: ﴿قولہ﴾ وَحَآءَ حَصْحَصَ الخ ای و بین ترقیق حاء نحو حَصْحَصَ الشاملة للاولی والثانية وحاء اَحَطْتُّ وحاء اَلْحَقُّ لماجاورتها حروف الاستعلاء المفخمة حذرا من تفخیم الحاء حال المقاربة مطلب یہ ہے کہ حَصْحَصَ کی دونوں حاء کو اور اَحَطْتُّ و اَلْحَقُّ کی حاء کو حروف استعلاء کی مجاورت کی وجہ سے خوب صاف اور باریک ادا کرنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان حروف مفخمہ کی قربت کی وجہ سے پُر ہو جائے۔

اسی طرح مُسْتَقِیْمَ کے سین کو بحالت سکون قاف کی مجاورت کی وجہ سے اگر چہ بواسطہ ہی ہو صفت انفتاح واستفال کے ساتھ باریک پڑھنا چاہیے۔

اسی طرح یَسْطُوْنَ و یَسْقُوْنَ کے سین کو ﴿قولہ﴾ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ اور وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ میں طاء وقاف کی وجہ سے باریک پڑھو کیونکہ طاء وقاف حروف مستعلیہ وشدیدہ میں سے ہیں اور سین حروف مستفلہ ورخوہ میں سے ہے اس لئے کہیں ان کی وجہ سے یہ بھی پُر نہ ہو جائے۔

مذکورہ بالا شعر میں ان دو کلموں یعنی یَسْطُوْنَ اور یَسْقُوْنَ سے جو نون حذف کیا گیا ہے وہ ضرورت شعری کی وجہ سے حذف ہوا ہے ورنہ اس طرح کلمہ کو قطع کرنا قراء کے نزدیک جائز نہیں ہے نہ حالت اختیاری میں اور نہ حالت اضطراری میں اور اسی طرح ان کلمات کو کتابت میں بھی قطع کرنا غیر مستحسن ہے اس طرح پر کہ مذکورہ بالا دونوں مثالوں کا نون اول سطر میں اور اس کا ماقبل آخر سطر میں لکھا جائے فاحفظ هذه القاعدة فانها كثير الفائدة۔

بَابُ الرَّآءَاتِ

راء کی حالتوں کا بیان

(41) وَرَقِّقِ الرَّآءَ اِذَا مَا كُسِرَتْ
كَذَاكَ بَعْدَ الْكَسْرِ حَيْثُ سَكَنَتْ

ت: ''اور باریک پڑھو را کو جب کہ وہ مکسور ہو اسی طرح وہ راء بھی باریک پڑھی جائے گی جو بعد کسرہ کے ساکن واقع ہو۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَرَقِّقِ الرَّآءَ الخ یعنی جب راء پر کسرہ ہو عام اس سے کہ وہ شروع میں واقع ہو یا درمیان میں یا آخر میں اور خواہ اس پر کسرہ اصلی ہو یا عارضی یا ناقصہ ہو یعنی روم واختلاس کی وجہ سے پورا نہ پڑھا جاتا ہو تو اس راء کو باریک پڑھیں گے جیسے وَاَنْذِرِ النَّاسَ - رِجَالَ - وَمِنْ م بَعْدِ الذِّكْرِ وغیرہ۔ پس معلوم ہوا کہ جس راء پر زبر یا پیش ہو گی وہ پُر پڑھی جائے گی جیسے رَبِّ و رُؤْيَا وغیرہ۔

﴿قولہ﴾ كَذٰلِكَ الخ یعنی مثل را مکسورہ کے وہ راء بھی باریک پڑھی جاتی ہے جو کہ ساکن ہو اور بعد کسرہ کے واقع ہو جیسے فِرْعَوْنُ وغیرہ۔ مگر اس راء کے باریک پڑھنے کے لئے دو شرطیں ہیں جو حضرت مصنفؒ نے اگلے بیت میں بیان فرمائی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

(42) اِنْ لَّمْ تَكُنْ مِّنْ قَبْلِ حَرْفِ اسْتِعْلَا
اَوْ كَانَتِ الْكَسْرَةُ لَيْسَتْ اَصْلَا

ت: ''اگر نہ ہو وہ راساکنہ قبل حرف استعلاء کے یا نہ ہو اس سے پہلے ایسا کسرہ کہ جو اصلی نہیں ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ اِنْ لَّمْ تَكُنْ الخ یعنی راء ساکنہ ماقبل مکسور اس وقت باریک پڑھی جائے گی

جب کہ اس کے بعد حرف مستعلیہ نہ ہو ورنہ پھر یہ پُر ہوگی جیسے مِرْصَادًا اور اِرْصَادًا و قِرْطَاسٍ ـ فِرْقَةٍ و لیس غیر ھا فی القراٰن.

﴿قولہ﴾ اَوْ كَانَتِ الْكَسْرَةُ اس کا عطف لَمْ جازمہ کے مدخول پر ہے مگر چونکہ لَمْ ماضی پر داخل نہیں ہوسکتا ہے اس لئے یہاں مَا مقدر مانا جائے گا۔ فیقال التقدیر او ما کانت الکسرة، علی ما اشار الیه الشیخ زکریاؒ.

خلاصہ یہ ہے کہ راء ساکنہ بعد الکسر کے باریک پڑھنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ اس راء ساکنہ سے پہلے کسرہ عارضی وغیر اصلی یا کسرہ منفصلہ نہ ہو بلکہ اصلی ومتصلہ ہو کیونکہ کسرہ عارضی ومنفصلہ ہونے کی صورت میں یہ راء پُر ہوگی، باریک نہ ہوگی جیسے اِرْجِعِیْ ـ اَمِ ارْتَابُوْا وغیرہ۔

پھر اگر راء آخر کلمہ میں واقع ہو اور اس پر وقف اسکان یا اشمام کے ساتھ کیا جائے تو اس کے ماقبل کسرہ یا یاء ساکنہ ہے یا اس کے علاوہ اور کوئی حرف ساکن ہے اور اس ساکن سے پہلے کسرہ ہے تو ان سب صورتوں میں راء باریک پڑھی جائے گی جیسے نَاصِرْ ـ خَبِیْرْ ـ حِجْرْ وغیرہ۔

اور اگر اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو تو پُر ہوگی جیسے اَلْقَمَرْ ـ اَلنُّذُرْ ـ خُسْرْ وغیرہ۔

اور جس راء پر وقف بالروم کیا جائے وہ اپنی حرکت کے موافق پُر یا باریک پڑھی جائے گی جیسے وَالْفَجْرِ کہ اس میں راء باریک ہوگی اور مُنْتَصِرٌ میں پُر ہوگی اور لفظ مِصْرْ و عَيْنَ الْقِطْرْ میں بحالت وقف خلف ہے یعنی ان کو پُر و باریک دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں لیکن عملاً للاصل والوصل مِصْرْ میں تفخیم اور عَيْنَ الْقِطْرْ میں ترقیق اولیٰ ہے۔

اور نیز وہ راء بھی باریک پڑھی جائے گی کہ جس میں امالہ کیا گیا ہو جیسے مَجْرٖىهَا جو سورۂ ہود میں ہے حضرت حفصؒ کی روایت میں صرف اسی ایک لفظ میں امالہ ہے۔

فائدہ: راء مشددہ حکم میں ایک راء کے ہے، پہلی راء دوسری کے تابع ہوتی ہے پس اگر دوسری راء مفتوح یا مضموم ہے تو پُر ہوگی اور جو مکسور ہے تو باریک۔ اس میں ماقبل کی حرکت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے لیکن بعض ناواقف پہلی راء کو جب کہ اس سے پہلے کسرہ ہو اور ثانی مفتوح یا مضموم ہو

باریک پڑھ دیتے ہیں اسی طرح اس کے برعکس حالت میں کرتے ہیں یہ سخت غلطی ہے جیسے فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ و دُرِّیٌّ وغیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب

43 وَالْخُلْفُ فِیْ فِرْقٍ لِّکَسْرٍ یُّوْجَدُ
وَاَخْفِ تَکْرِیْرًا اِذَا تُشَدَّدُ

ت: ''اور اختلاف ہے لفظ فِرْقٍ (کی راء) میں بسبب کسرہ کے جو پایا جاتا ہے (قاف میں) اور پوشیدہ کر وصفت تکریر کو (خاص کر) جب کہ راء مشدد ہو۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَالْخُلْفُ الخ ای والاختلاف ثابت فی تفخیم راء قولہ تعالیٰ: فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ و ترقیقھا لکسر یوجد فی قافھا یعنی سورۂ شعراء میں جو لفظ کُلُّ فِرْقٍ ہے اس کی راء میں قراء کا اختلاف ہے، بعض نے (حرف استعلاء قاف کے مکسور ہونے اور ماقبل کسرہ کی وجہ سے کہ راء بین الکسرتین واقع ہوئی ہے اور قاف کی تفخیم بسبب کسرہ کے جو کہ سبب ترقیق ہے کم ہوگئی ہے) ترقیق کی ہے، اور بعض نے (اس بنا پر کہ راء کے بعد اگرچہ حرف استعلاء قاف مکسور ہے لیکن تاہم بمقابلہ کسرہ کے پھر بھی مانع قوی ہے اور اس کا حکم مفتوحہ و مضمومہ کے برابر ہے) تفخیم کی ہے۔ علامہ دانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں وجہ جید ہیں۔

﴿قولہ﴾ وَاَخْفِ تَکْرِیْرًا یعنی راء جب مشدد ہو تو اس وقت خصوصیت سے اس کا ضرور خیال رکھا جائے کہ کہیں اس میں صفت تکریر نہ ادا ہو جائے اور چونکہ راء مشددہ میں صفت تکریر کے ادا ہو جانے کا زیادہ احتمال ہے اس لئے حضرت مصنفؒ نے اس کو علی سبیل الاہتمام والا عتنا بیان فرمایا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف راء مشددہ ہی میں صفت تکریر کو پوشیدہ کیا جائے راء مخففہ میں نہیں بلکہ خواہ راء مشددہ ہو یا مخففہ صفت تکریر کا اخفاء ہر حال میں ضروری ہے، ورنہ پھر راء مشددہ میں کئی راء اور راء مخففہ میں بجائے ایک راء کے دو راء ادا ہوں گی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ ﴿قولہ﴾ اِذَا تُشَدَّدُ راء کے لئے قید نہیں ہے۔

بَابُ اللَّامَاتِ

لام کی حالتوں کا بیان

(44) وَفَخِّمِ اللَّامَ مِنَ اسْمِ اللّٰهِ
عَنْ فَتْحٍ اَوْ ضَمٍّ كَعَبْدُ اللّٰهِ

ت: ''اور پُر پڑھو لفظ اللہ کے لام کو بعد فتحہ یا ضمہ کے مثل عَبْدُ اللّٰهِ کے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَفَخِّمِ اللَّامَ الخ یعنی جب لفظ اللّٰه سے پہلے زبر یا پیش ہو تو اس وقت اس کے دونوں لام کو پُر پڑھو جیسے عَبْدُ اللّٰهِ بفتح الدال وضمہا تا کہ مثال صحیح ہو جائے اور یہی حکم اَللّٰهُمَّ کا بھی ہے کیونکہ یہ بھی لفظ اللّٰه ہی ہے صرف اس کے آخر میں میم زیادہ کیا گیا ہے،

اور اگر لفظ اللّٰه سے پہلے کسرہ ہو تو پھر اپنے اصل کے موافق باریک پڑھا جائے گا کیونکہ محققین کے نزدیک لام میں ترقیق اصل ہے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وغیرہ۔ حضرت حفصؒ کی روایت میں سوائے اس لفظ اللّٰه کے لام کے جب کہ اس کے قبل فتحہ یا ضمہ ہو باقی سب لام باریک پڑھے جاتے ہیں، اور مَا وَلّٰهُمْ کا لام بھی باریک ہی پڑھا جائے گا کیونکہ یہ لام لفظ اللہ کا نہیں ہے، خوب سمجھ لو۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ حروف مفخمہ کی تفخیم میں اہل ادا کے پانچ مراتب ہیں۔ اعلیٰ درجہ کا مفخم (پُر) وہ حرف ہوگا جو کہ مفتوح ہو اور اس کے بعد الف ہو جیسے طَالَ وقَالَ۔ پھر وہ حرف مفتوح جس کے بعد الف نہ ہو جیسے صَلَحَ اس کے بعد وہ جو مضموم ہو جیسے ظُلُمَاتٌ اس کے بعد وہ جو مکسور ہو جیسے صِيَامُ اور اس کے بعد وہ جو ساکن ہو جیسے اِصْلَاحٌ وغیرہ۔

بَابُ الْإِسْتِعْلَآءِ وَالْإِطْبَاقِ

استعلاء اور اطباق کا بیان

(45) وَحَرْفَ الِاسْتِعْلَآءِ فَخِّمْ وَاخْصُصَا
الاِطْبَاقَ اَقْوٰی نَحْوُ قَالَ وَالْعَصَا

ت: ''اور حروف استعلاء کو پُر پڑھو خاص کر حروف مطبقہ کو جو تفخیماً اقویٰ ہیں مثل قَالَ و عَصَا کے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَحَرْفَ الِاسْتِعْلَآءِ الخ بحذف همزة الوصل فی الدرج و نصب حرف علی انه مفعول مقدم لقوله فخم ویجوز رفعه علی تقدیر فخمه نحو قوله تعالیٰ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ عَلی القرائتین۔

یہاں حرف استعلاء سے مراد عام ہے خواہ وہ مطبقہ ہو یا نہ ہو ولـذا قـال واخصصا بضم الصاد وبالالف المبدلة من النون المخففة اور ﴿قولہ﴾ اَقْوٰی موصوف محذوف کی صفت ہے۔ والمعنی خصص حروف الاطباق بتفخیم اقوی من تفخیم سائر حروف الاستعلاء نحو قَالَ وعَصَا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حروف مستعلیہ کو جن کا مجموعہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ ہے پُر پڑھو خصوصاً حروف مطبقہ کو جو کہ ص — ض — ط — ظ چار حروف ہیں کیونکہ ان کی تفخیم بہ نسبت حروف مستعلیہ کے زیادہ قوی ہے پس ان دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوئی اس لیے کہ ہر مطبقہ مستعلیہ ہے اور ہر مستعلیہ مطبقہ نہیں ہے مثال مستعلیہ وغیر مطبقہ کی قَالَ اور مثال مستعلیہ ومطبقہ کی عَصَا ہے۔ واللہ اعلم

(46)

وَبَيِّنِ الْإِطْبَاقَ مِنْ أَحَطْتُّ مَعْ
بَسَطْتَّ وَالْخُلْفُ بِنَخْلُقْكُّمْ وَقَعْ

ت: ''اورظاہر کر کے پڑھو صفت اطباق کو اَحَطْتُّ کی طاء میں مع بَسَطْتَّ کے اور اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں اختلاف واقع ہوا ہے۔

ش: ﴿قولہ﴾ وَبَيِّنَ الخ امر کا صیغہ ہے یعنی صفت اطباق جو لفظ اَحَطْتُّ اور بَسَطْتَّ کی طاء میں پائی جاتی ہے اس کو خوب ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے تاکہ طاء جو مطبقہ مستعلیہ مجہورہ ہے تاء منفتحہ مستفلہ مہموسہ مدغمہ کے ساتھ (جیسا کہ ادغام متقاربین میں قاعدہ کلیہ یہی ہے) مشابہ نہ ہو جائے' اور یہی حکم عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ کی طاء کا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ لفظ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ جو سورۂ مرسلات میں واقع ہے اس کے قاف کا کاف میں ادغام کرنے کے بعد قاف میں صفت استعلاء کے بقا و عدم بقا میں اہل ادا کا اختلاف ہے۔ ابن مصنفؒ کہتے ہیں کہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اور حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب تمہید میں بیان فرمایا ہے کہ صفت استعلاء کا قاف میں باقی رکھنا علامہ مکیؒ وغیرہ کا مذہب ہے اور ثانی مذہب علامہ دانیؒ اور ان کے متبعین کا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دونوں صورتیں حسن ہیں اول صورت کو بصریوں نے اور ثانی کو شامیوں نے اختیار کیا ہے اور میں نے علامہ دانیؒ کا اتباع کرتے ہوئے دوسری صورت اختیار کی ہے **وقال فی النشر الادغام المحض اصح روایۃً و اوجد قیاسا** اور حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب النشر میں کہا ہے کہ محض ادغام کرنا روایت کے لحاظ سے زیادہ صحیح اور قیاس کے لحاظ سے مناسب تر ہے۔

(47)

وَاحْرِصْ عَلَى السُّكُوْنِ فِيْ جَعَلْنَا
اَنْعَمْتَ وَالْمَغْضُوْبِ مَعْ ضَلَلْنَا

ت: ''اورکوشش کروسکون کے ادا کرنے کی لفظ جَعَلْنَا اور اَنْعَمْتَ اور اَلْمَغْضُوْبِ میں مَعْ ضَلَلْنَا کے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَاحْرِصْ الخ ای احرص علی بیان سکون اللام فی جَعَلْنَا والنون فی اَنْعَمْتَ والغین فی اَلْمَغْضُوْبِ مع لام ضَلَلْنَا الثانیة لتحرز عن تحریکھا کما یفعله جھلة القراء یعنی لفظ جَعَلْنَا میں لام کے سکون کواور اَنْعَمْتَ میں نون ومیم کے سکون کواور اَلْمَغْضُوْبِ میں غین کے سکون کواور ضَلَلْنَا میں دوسرے لام کے سکون کو خوب ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے تا کہ یہ حروف ساکنہ متحرک نہ ہو جائیں جیسا کہ بعض جاہل ان کو متحرک ادا کردیتے ہیں' اس کے علاوہ جَعَلْنَا وغیرہ میں لام کا بوجہ قرب مخرج نون میں مدغم ہو جانے کا بھی احتمال ہے اوران میں ادغام جائز نہیں ہے' اس لئے ان کے سکون کو کامل طور پر ادا کرنا چاہیے۔

حضرت مصنفؒ نے جو مثالیں بیان فرمائی ہیں ان میں کوئی انحصار نہیں ہے (کہ صرف انہی میں سکون کو ظاہر کر کے پڑھا جائے) بلکہ ہر جگہ ہر حرف ساکن کے سکون کو ظاہر کر کے پڑھنا ضروری ہے خاص کر ایسے موقعہ پر کہ جہاں ادغام کا بھی احتمال پایا جاتا ہو اور وہاں روایۃً ادغام جائز نہ ہو۔

(48) وَخَلِّصِ انْفِتَاحَ مَحْذُوْرًا عَسٰى
خَوْفَ اشْتِبَاهِهٖ بِمَحْظُوْرًا عَصٰى

ت: ''اور ظاہر کر کے پڑھو صفت انفتاح کو مَحْذُوْرًا اور عَسٰی میں ان کے لفظ مَحْظُوْرًا اور عَصٰی کے ساتھ مشابہ ہونے کے خوف سے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَخَلِّصْ الخ ای بیّن و میّز صفة الانفتاح عن الاطباق فی نحو مَحْذُوْرًا و فی نحو عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا لئلا یشبه

الذال بالظاء فی قوله تعالیٰ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا والسین بالصاد فی قوله تعالی وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی.

خلاصہ یہ ہے صفت انفتاح کو مَحْظُوْرًا و عَصٰی اوران جیسے دیگر الفاظ میں ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے' تا کہ ذال مشابہ ظاء کے اور سین مشابہ صاد کے نہ ہو جائے کیونکہ ذال اور سین میں صفت انفتاح اور ظا وصاد میں اطباق ہے اور ذال وظاء کا اور سین وصاد کا ایک مخرج ہے اور جن حروف کا مخرج ایک ہے وہ اپنی اپنی صفات ہی سے باہم ممتاز ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر ان میں سے ہر ایک کو اور ایسے ہی ہر حرف متحدہ فی المخرج کو ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا کر کے نہ پڑھا گیا تو یہ آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہو جائیں گے۔ فافہم

(49) وَرَاعِ شِدَّةً بِكَافٍ وَّبِتَا
كَشِرْكِكُمْ وَتَتَوَفّٰى فِتْنَتَا

ت: ''اور رعایت کر وصفت شدت کی کاف اور تاء میں مثل شِرْكِكُمْ اور تَتَوَفّٰى اور فِتْنَةً کے۔''

ش: ﴿قوله﴾ وَرَاعِ شِدَّةً الخ ای کائنة بكاف ای فی کاف وراع امر من المراعات والمفاعلة اذا لم تكن للمفاعلة فهی للمبالغة یعنی کاف وتاء میں صفت شدت کی رعایت کرنا خصوصاً مکرر ہونے کی صورت میں نہایت ضروری ہے جیسے يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَ تَتَوَفّٰى اور وَاتَّقُوْا فِتْنَةً وغیرہ کے وقس علی الشدة الجهر والهمس والرخاوة وغیرها مما مرّ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان میں کامل طور پر صفت شدت کو نہ ادا کیا گیا تو یہ رخوہ ہو جائیں گے جیسا کہ بعض لوگ ادا کرتے ہیں اور مکرر ہونے کی صورت میں چونکہ قریب من الادغام ہو جاتے ہیں جس سے زبان کو بوجہ صعوبت تکرار کلفت ہوتی ہے اور اس کی مقتضی ہوتی ہے کہ اس میں ادغام کیا جائے حالانکہ علیٰ مذهب

مظہر اس میں ادغام جائز نہیں ہے نحو قوله تعالیٰ "مَنَا سِكُكُم - اِنَّكَ كُنْتَ" علی مذہب مظہر لہٰذا ہر ایک حرف کو اچھی طرح صاف اور ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے خواہ ایک کلمہ میں واقع ہوں یا دو کلموں میں اور جو صفت جس کی ہو اس کو کامل طور پر ادا کیا جائے۔

واللہ اعلم

بَابُ الْاِدْغَامِ

ادغام کا بیان

(50)

وَاَوَّلَیْ مِثْلٍ وَّجِنْسٍ اِنْ سَكَنْ
اَدْغِمْ كَقُلْ رَّبِّ وَبَلْ لَّا وَ اَبِنْ

ت: "دو ہم مثل و ہم جنس حرفوں میں سے پہلا حرف اگر ساکن ہو تو ادغام کرو مثل قُلْ رَّبِّ اور بَلْ لَّا کے اور اظہار کرو......"

(51)

فِیْ یَوْمِ مَعْ قَالُوْا وَهُمْ وَقُلْ نَعَمْ
سَبِّحْهُ لَا تُزِغْ قُلُوْبَ فَالْتَقَمْ

ت: "فِیْ یَوْمٍ میں نیز قَالُوْا وَهُمْ میں اور نیز قُلْ نَعَمْ اور سَبِّحْهُ و لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا اور فَالْتَقَمَهُ میں۔"

ش: ﴿قولہ﴾ وَ اَوَّلَیْ الخ تثنیہ ہے اور مضاف ہے مِثْلٍ و جِنْسٍ کی طرف اس کا نون بسبب اضافت حذف ہو گیا ہے اور اس کی یاء منصوب ہے اس بنا پر کہ یہ قولہ اَدْغِمْ کا مفعول مقدم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب متماثلین یا متجانسین کا پہلا حرف ساکن ہو تو اول کا دوسرے میں ادغام ہوگا یعنی پہلے کو دوسرے میں داخل کر کے مشدد پڑھیں گے اور بوقت ادائیگی زبان ایک دفعہ مرتفع

ہوگی۔اس کا زمانہ ایک حرف مخفف کے زمانہ سے زائد اور دو حرف مخفف کے زمانہ سے کم ہوتا ہے بشرطیکہ ادغام بلا غنہ ہو کیونکہ ادغام باغنہ کا زمانہ زیادہ طویل ہوتا ہے۔

پھر ادغام کی دو قسمیں ہیں (۱) صغیر (۲) کبیر۔اگر حرف ساکن کا ادغام حرف متحرک میں ہوا ہے تو اس کو ادغام صغیر کہتے ہیں اور اگر مدغم و مدغم فیہ دونوں متحرک ہوں اور پھر حرف اول کو ساکن کر کے ثانی حرف میں ادغام کیا ہے تو یہ ادغام کبیر کہلاتا ہے۔یہ ادغام کبیر موافق روایت حفص ؒ تمام قرآن مجید میں صرف پانچ جگہ ہے۔ایک لَا تَاْمَنَّا میں جو اصل میں لا تَاْمَنُنَا تھا بحالت اشمام۔دوسرا مَكَّنِّيْ میں جو اصل میں مَكَّنَنِيْ تھا۔تیسرا لَا تُحَآجُّوْنِّيْ میں جو اصل میں لَا تُحَآجُّوْنَنِيْ تھا۔چوتھا لَا تَأْمُرُوْنِّيْ جو اصل میں تَأْمُرُوْنَنِيْ تھا۔پانچواں نِعِمَّا هِيَ میں جو اصل میں نِعْمَ مَاهِيَ تھا۔

اور ادغام صغیر اکثر جگہ پایا جاتا ہے۔حضرت مصنف ؒ نے جو یہاں ادغام بیان کیا ہے اس سے مراد بھی ادغام صغیر ہی ہے۔

پھر ادغام صغیر کی دو قسمیں ہیں (۱) تام (۲) ناقص۔اگر حرف اول کا ادراج ثانی میں ذاتاً وصفۃً ہو تو ادغام تام ہے جیسے وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ وغیرہ، اور جو ذاتاً ہو صفۃً نہ ہو تو یہ ادغام ناقص ہے جیسے اَحَطْتُّ وغیرہ۔

پھر ادغام یا متماثلین ہوگا یا متجانسین یا متقاربین۔اگر ایسے دو حرف میں ادغام ہوا ہے جو مخرج و صفت دونوں میں متفق ہوں تو اس کو ادغام مثلین (یا متماثلین) کہتے ہیں جیسے بَلْ لَّا وغیرہ، اور اگر ایسے دو حرفوں میں ادغام ہوا ہے جو مخرج میں متفق مگر صفت میں مختلف ہوں تو یہ ادغام متجانسین ہے جیسے قُلْ رَّبِّ ایک قول کی بنا پر اور دوسرے قول پر یہ متقاربین کی مثال ہے۔اور ادغام متقاربین اس کو کہتے ہیں جو مخرج و صفات میں قریب قریب ہوں، اور یہ ادغام بطور جواز کے ہے، بعض قراء کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے ہیں، لیکن جس سے یہ ادغام ثابت ہے اس کی روایت میں ادغام کرنا ضروری ہے ورنہ کذب فی الروایۃ لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے،

خوب سمجھ لو۔

﴿قولہ﴾ اَبِنْ الخ امر من الابانۃ بمعنی الاظہار ای اظہر المثلین فِیْ یَوْمٍ مَعْ قَالُوْا وَهُمْ و نحوھما۔

یعنی فِیْ یَوْمٍ اور قَالُوْا وَهُمْ میں ادغام نہ ہوگا بلکہ محافظت مد کی وجہ سے اظہار ہوگا کیونکہ اگر ان میں ادغام کیا گیا تو مدیت جو مستلزم بالذات ہے صفت عارضہ ادغام کی وجہ سے معدوم ہو جائے گی۔ دوسرے یہ کہ علامہ خلیلؒ کے نزدیک یہ مثلین ہی نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک حرف مدہ اور غیر مدہ کا مخرج جدا جدا ہے اور مثلین میں دو حرفوں کا مخرج اور صفات میں متحد ہونا ضروری ہے۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾ قُلْ نَعَمْ الخ اس کا استثناء ادغام متجانسین سے ہے یعنی لام ساکنہ کا ادغام نون میں نہ ہوگا۔ کیونکہ نون جن حرفوں میں مدغم ہوتا ہے وہ حروف نون میں مدغم نہیں ہوتے ہیں اور اَلنَّارِ و اَلنَّاسِ میں جو لام ساکنہ کا ادغام نون میں ہوا ہے وہ کثرت دور کی وجہ سے ہوا ہے دوسرے یہ کہ الف لام مبنی علی السکون ہے جس سے کچھ حذف نہیں ہوا ہے اور نہ اس میں کوئی تعلیل ہوئی ہے بخلاف قُلْ کے کہ اس کا عین کلمہ بوجہ تعلیل حذف ہو گیا ہے اب اگر اس میں پھر تعلیل کی جائے اور لام کو بوجہ ادغام حذف کر دیا جائے تو کلمہ میں اجحاف لازم آئے گا اس لئے اس میں کسی قاری نے بھی ادغام نہیں کیا ہے۔

اسی طرح ﴿قولہ﴾ فَسَبِّحْهُ میں حاء کا ادغام ہاء میں نہ ہوگا بلکہ حاء کو اچھی طرح ظاہر کر کے پڑھنا ضروری ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ حروف حلقی اپنے سے ادخل حروف میں مدغم نہیں ہوتے ہیں اور ہاء کا حاء سے ادخل ہونا ظاہر ہے۔ حضرت ناظمؒ نے جو خصوصیت سے فَسَبِّحْهُ اور اس کے اظہار کو بیان فرمایا ہے وہ اس لئے کہ اکثر لوگ اس میں بوجہ قرب مخرج ادغام کر دیتے ہیں اور اس کا خیال نہیں کرتے کہ حاء ہا سے اقوی ہے اور اقوی کا ادغام اضعف میں نہیں ہوتا ہے اور اگر بثبوت روایت کہیں ہوتا بھی ہے تو وہ ناقص ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿قولہ﴾ لَا تُزِغْ قُلُوْبَ یعنی اسی طرح غین کا ادغام قاف میں نہ ہوگا بلکہ اس میں غین کو ظاہر کر کے پڑھنا واجب ہے اس لئے کہ حروف حلقی بوجہ صعوبت ادغام سے بعید ہیں اور ابن مصنفؒ نے جو عدم ادغام کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ان دونوں میں مغائرت ہے درست نہیں ہے کیونکہ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں اگرچہ باعتبار مخرج متغایر ہیں لیکن ان میں قرب مخرج ضرور ہے اور یہ مغایرت کے منافی نہیں ہے پس بہتر وجہ وہی ہے جس کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

وقد ذكر المصنف في التمهيد ان الغين اذا لقيت حرفا حلقيا وجب بيانها نحو رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا و ابلغه وكذا القاف نحو رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا لان مخرج الغين قريب من مخرج العين والقاف بعده فيخشى ان يتبادر اللفظ الى الاختفاء والادغام. (قاریؒ)

اور ﴿قولہ﴾ فَالْتَقَمْ یعنی فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ میں لام تاء میں مدغم نہ ہوگا اس وجہ سے کہ یہ دونوں باعتبار مخرج متباعد ہیں اور یہ منافی ادغام ہے اور لام تعریف کا ادغام جو تاء میں ہوا ہے وہ کثرت استعمال کی وجہ سے ہوا ہے اور شاید اس کے استثناء کی وجہ بھی یہی ہو کہ کوئی اس کو لام تعریف کا لام سمجھ کر کہیں ادغام نہ کر دے اور اس کا حکم اس پر جاری کر دیا جائے۔ واللہ اعلم

فائدہ: جاننا چاہیے کہ حروف کی مِنْ حَیْثُ ھِیَ دو قسمیں ہیں قمریہ و شمسیہ اور ہر ایک ان میں سے چودہ چودہ حروف ہیں۔ حروف قمریہ کا مجموعہ اِبْغِ حَجَّكَ وَخَفْ عَقِیْمَهُ ہے۔

حروف قمریہ اس بیت کے اوائل کلمات میں جمع ہیں۔

اَلَا بل وهل يروى خبير حديث من

ا ب و ى خ ح م

جلا عن فؤادى غمة قد كست هما

ج ع ف غ ق ك ه

لام تعریف کے بعد جب ان حروف میں سے کوئی حرف آئے گا تو اظہار ہوگا یعنی لام ظاہر کر کے پڑھا جائے گا جیسے اَلْبَوَارِ - اَلْاَحَدُ - اَلْغَفَّارِ وغیرہ۔ اور اگر لام تعریف کے بعد حروف شمسیہ میں سے کوئی حرف آئے گا تو وہاں ادغام ہوگا' جیسے اَلطُّوْرِ - اَلنَّجْمُ - اَلثَّاقِبُ وغیرہ' اور حروف شمسیہ اس بیت کے اوائل کلمات میں جمع ہیں۔

طِبْ ثُمَّ صِلْ رَحِمًا تَفُزْ ضِفْ ذَا نِعَمْ

ط ث ص ر ت ض ذ ن

دَعْ سُوْءَ ظَنٍّ زُرْ شَرِيْفًا لِّلْكَرَمْ

د س ظ ز ش ل

پس اس بیت میں جتنے کلمات ہیں ان کا اول حرف حرف شمسیہ ہے۔

ان حروف کو قمریہ و شمسیہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اَلْقَمَرُ میں لام کے بعد قاف واقع ہوا ہے اور اس میں اظہار ہوا ہے اور اَلشَّمْسِ کے بعد شین ہے اور اس میں ادغام ہوا ہے۔ پس گویا کہ حروف قمریہ مشابہ قاف وَالْقَمَرُ کے اور حروف شمسیہ مشابہ شین وَ الشَّمْسِ کے ہوئے لہٰذا از قبیل "تسمية الكل باسم الجزء" ان کو قمریہ و شمسیہ کہنے لگے۔ بہر حال معنون اور ماحصل ایک ہی ہے صرف تعبیرات کا فرق ہے۔ دوسری وجہ قمریہ و شمسیہ کہنے کی یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ حروف قمریہ بمنزلہ قمر کے اور حروف شمسیہ بمنزلہ شمس کے ہیں اور لام تعریف بمنزلہ ستاروں کے ہے' پس جب طلوع قمر ہوتا ہے تو ستارے ظاہر اور باقی رہتے ہیں بخلاف شمس کے کہ اس کے طلوع کے وقت ستارے مثل لام تعریف کے مدغم اور چھپ جاتے ہیں۔ بہر حال معنی اور ماحصل ایک ہی ہے صرف تعبیرات کا فرق ہے واللہ اعلم۔

بَابٌ فِي الْفَرْقِ بَيْنَ الظَّآءِ وَ الضَّادِ

ظاء اور ضاد کے درمیان فرق کا بیان

(52) وَالضَّادَ بِاسْتِطَالَةٍ وَّمَخْرَجٍ
مَيِّزْ مِنَ الظَّآءِ وَكُلُّهَا تَجِيْ

ت: ''اور ضاد کو بسبب صفت استطالت اور مخرج کے ممتاز کرو تم ظاء سے اور کل (مواد) ظاءات (آگے) آتی ہیں (الفاظ ذیل میں جن کو ہم نے آئندہ ابیات میں بیان کیا ہے)''

ش: ﴿قولہ﴾ وَالضَّادَ الخ منصوب ویجوز رفعه والعامل فيه قوله ميز اى ميزها بصفة استطالتها واخراجها من مخرجها من الظاء فان الضاد من حافة اللسان والظاء من رأس اللسان۔

خلاصہ یہ ہے کہ ضاد چونکہ اصعب الحروف (مشکل ترین حرف) ہے اس لئے اکثر اس کو مختلف طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔کوئی تو اس کو دال مہملہ یا ذال معجمہ ادا کرتا ہے اور کوئی طاء مہملہ پڑھتا ہے جیسا کہ اہل مصر پڑھتے ہیں اور کوئی خالص ظاء معجمہ اور کوئی اشمام بالذال وغیرہ ادا کرتا ہے غرضیکہ جس قدر اس حرف کی ادائیگی میں خلط ملط ہوتا ہے کسی اور حرف میں اتنا نہیں ہوتا ہے اس لئے حضرت ناظمؒ نے خصوصیت سے اس کو بیان فرمایا کہ تم ضاد کو اس کی صفت استطالت اور مخرج کے سبب سے ظاء سے ممتاز اور جدا کر کے پڑھو اور ناواقفان فن کی طرح ایک کو دوسرے میں خلط نہ کرو۔اس کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے تمہاری سہولت اور ضبط کی خاطر تمام مواد ظاءات کو کہ جو قرآن شریف میں آئی ہیں اور وہ بہ نسبت ضاد کے کم ہیں آئندہ چھ ابیات میں جمع کر دیا ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے۔ یہ الفاظ ظاء معجمہ سے ہیں اور باقی سب ضاد سے ہیں اور وہ یہ ہیں:

(53) فِی الظَّعْنِ ظِلِّ الظُّهْرِ عُظْمِ الْحِفْظِ
اَیْقِظْ وَاَنْظِرْ عَظْمِ ظَهْرِ اللَّفْظِ

ت: ” ظَعْنِ- ظِلِّ- ظُهْرِ- عُظْمِ- حِفْظِ- اَیْقِظْ- اَنْظِرْ- عَظْمِ- ظَهْرِ- لَفْظِ ان تمام میں ظاء معجمہ ہیں۔“

ش: ﴿قولہ﴾ فِی الظَّعْنِ الخ بفتح الظاء ترکیب میں تَجِیْ سے متعلق ہے اور اس کے معنی مسافرت کے ہیں۔ قرآن عزیز میں یہ صرف ایک جگہ آیا ہے یَوْمَ ظَعْنِکُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِکُمْ.

﴿قولہ﴾ ظِلِّ- بکسر الظاء و بحذف عاطف قرآن مجید میں مع اپنے مشتقات کے چوبیس جگہ آیا ہے۔ اول سورہ بقرہ میں دو جگہ ایک وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ دوسرے فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ اور لفظ ظُلَّةٌ جو سورۂ اعراف میں کَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ اور سورۂ شعرا میں یَوْمِ الظُّلَّةِ ہے وہ بھی اسی کے تحت میں داخل ہے۔

﴿قولہ﴾ اَلظُّهْرِ بضم الظاء بمعنی وقت انتصاف النہار قرآن عزیز میں اس مادہ سے دو جگہ واقع ہے ایک سورۂ نور میں حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ اور دوسرا سورہ روم میں حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ۔

﴿قولہ﴾ عُظْمِ بضم العین بمعنی عظمت اس مادہ سے قرآن مجید میں ایک سو تین جگہ آیا ہے۔ اول سورہ بقرہ میں لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔

﴿قولہ﴾ اَلْحِفْظِ بکسر الحاء اور اس کے تمام مشتقات قرآن کریم میں بیالیس جگہ آئے ہیں اول سورۂ بقرہ میں حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۔

﴿قولہ﴾ اَیْقِظْ بفتح الهمزة و کسر الثالث من الیقظة ضد النوم قرآن میں سوائے ایک جگہ کے اور نہیں آیا ہے اور وہ وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ سورۂ

کہف میں ہے۔

﴿قولہ﴾ وَاَنْظِرْ بفتح الھمزہ و کسر الثالث من الانظار بمعنی مہلت و تاخیر قرآن عزیز میں اس مادہ سے بائیس جگہ واقع ہے اول سورۂ بقرہ میں وَلَاھُمْ یُنْظَرُوْنَ اور یہ بھی یاد رکھو کہ مادہ نَظَرْ وانْظَارْ وانْتِظَارْ اصل لغت میں متحد ہیں صرف اختلاف باعتبار باب کے ہے۔ اور حضرت مصنفؒ نے جو ان میں مغایرت پیدا کی ہے وہ مزید توضیح کی وجہ سے کی ہے۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾ عَظْمٍ بفتح العین بمعنی استخوان یعنی ہڈی مفرد و جمع سب ملا کر قرآن عزیز میں چودہ جگہ آیا ہے۔ اور سورۂ بقرہ میں وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ۔

﴿قولہ﴾ ظَھْرِ - بفتح الظاء بمعنی پشت مع اپنے مشتقات کے' قرآن میں چودہ جگہ واقع ہے اول سورہ بقرہ میں وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ۔

﴿قولہ﴾ اَللَّفْظِ اس سے سوائے ایک لفظ کے جو سورہ قٓ میں ہے مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اور کہیں نہیں آیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

(54)

ظَاھِرْ لَظٰی شُوَاظُ کَظْمٍ ظَلَمَا
اُغْلُظْ ظَلَامِ ظُفُرٍ انْتَظِرْ ظَمَا

ت: "ظَاھِرْ - لَظٰی - شُوَاظُ - کَظْمٍ - ظَلَمَ - اُغْلُظْ - ظَلَامِ - ظُفُرٍ - اِنْتَظِرْ اور ظَمَا ان سب میں ظاء معجمہ ہے (نہ کہ ضاد معجمہ)"

ش: ﴿قولہ﴾ ظَاھِرْ - بکسر الھاء وسکون الراء ضرورۃ وھو ضد الباطن قرآن مجید میں چھے جگہ آیا ہے اول سورہ انعام میں وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ اور بمعنی علو وغلبہ تین جگہ ہے اول سورہ براءۃ میں لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ اور بمعنی اعانت بھی آیا ہے جیسے تَظٰھَرُوْنَ عَلَیْھِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (بقرہ) اور بمعنی اطلاع بھی آیا ہے جیسے فَلَا

يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا (جن) غرضیکہ اس سے جس قدر بھی الفاظ آتے ہیں خواہ اس کے معنی کچھ بھی ہوں سب ظاء معجمہ سے ہیں۔

﴿قولہ﴾ لَظٰى قرآن مجید میں اس مادہ سے دو جگہ آیا ہے ایک كَلَّآ اِنَّهَا لَظٰى سورۂ معارج میں۔ دوسرا فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى سورہ لیل میں۔

﴿قولہ﴾ شُوَاظُ بضم الشين و كسرها قرآن عزیز میں صرف ایک جگہ سورہ رحمٰن میں آیا ہے يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ۔

﴿قولہ﴾ كَظْمٍ بالتنوين مجرورًا اس مادہ سے قرآن مجید میں چھے جگہ واقع ہے اول سورہ آل عمران میں وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ۔

﴿قولہ﴾ ظَلَمَا – فعل ماضٍ من الظلم و الفه للاطلاق و فى نسخة ظُلْمًا بضم و سكون فالفه مبدل من التنوين و قفا و نصبه على الحكاية بمعنى وضع الشئ فى غير موضعه مع اپنے مشتقات کے قرآن میں دو سو بیاسی جگہ آیا ہے اول سورۂ بقرہ میں فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

﴿قولہ﴾ اُغْلُظْ – بضم الهمزه و اللام من الغلظة ضد الرقة قرآن میں اس مادہ سے تیرہ جگہ واقع ہے اول سورہ آل عمران میں غَلِيْظَ الْقَلْبِ.

﴿قولہ﴾ ظَلَامٍ بفتح الظاء و كسر الميم من الظلمة و هى ضد النور اس مادہ سے سو جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ كذا ذكره ابن المصنفؒ و تبعه شيخ زكرياؒ و فى شرح الروميؒ و المصرىؒ فى ستة و عشرين موضعًا و هو الصواب. (قاریؒ) اول سورہ بقرہ میں وَ تَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ.

﴿قولہ﴾ ظُفُرٍ – بضمتين و يجوز اسكان الفاء لغةً و قرئ بها قرآن

میں صرف ایک جگہ آیا ہے۔ كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ – سورہ انعام میں۔

﴿قولہ﴾ اِنْتَظِرْ – من الانتظار و هو الارتقاب للشیٔ اس مادہ سے قرآن میں چودہ جگہ آیا ہے۔ اول سورہ انعام میں قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ.

﴿قولہ﴾ ظَمَاً – بمعنی العطش صرف قرآن میں تین جگہ آیا ہے۔ ایک آخر سورہ براءۃ میں لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَاٌ دوسرے سورہ طٰہٰ میں وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا – تیسرے سورہ نور میں يَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ ماءً واللہ اعلم

(55) اَظْفَرَ ظَنًّا كَيْفَ جَا وَعْظٍ سِوٰى
عِضِيْنَ ظَلَّ النَّحْلِ زُخْرُفٍ سَوَا

ت: اَظْفَرَ اور ظَنًّا جیسے بھی آیا ہو اور وَعْظٍ سوائے عِضِيْنَ کے اور ظَلَّ جو سورہ نحل و سورہ زخرف میں ہے ایک ہی طرح پر واقع ہے سب ظاء معجمہ سے آتے ہیں۔

ش: ﴿قولہ﴾ اَظْفَرَ ظَنًّا – حکایۃً منصوب ہیں اور اظفر من الظفر بفتحتین بمعنی الفوز و النصر قرآن مجید میں صرف ایک جگہ سورہ فتح میں آیا ہے یعنی مِنْ م بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ –

﴿قولہ﴾ ظَنًّا خواہ بمعنی ترجیح احد الامرین ہو یا بمعنی شک ہو۔ ومنہ قولہ تعالیٰ: وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ اور کبھی اس کا اطلاق یقین پر بھی کیا جاتا ہے ومنہ قولہ تعالیٰ: فَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا اور کبھی تہمت کے معنی میں بھی آتا ہے کما فِىْ بِظَنِيْنٍ پس جس طرح سے بھی قرآن میں واقع ہو خواہ ماضی یا مضارع وصف یا مصدر سب ظاء معجمہ سے ہے اور اس مادہ ظَنّ سے قرآن عزیز میں سرسٹھ جگہ آیا ہے اول سورہ بقرہ میں اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ –

﴿قولہ﴾ وَعْظٍ بمعنی التخویف من العذاب و الترغیب فی

الثـــــواب باعتبار اپنے تمام مشتقات کے قرآن میں پچیس جگہ آیا ہے اول سورہ بقرہ میں وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ لیکن لفظ عِضِيْنَ جو سورہ حجر میں اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ہے وہ ظاء سے نہیں ہے بلکہ ضاد سے ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

﴿قولہ﴾ ظَلَّ النَّحْلِ الخ ای الکائن فیھا وفی زُخْرُفٍ اور ایک نسخہ میں زُخْرَفًا بالنصب ہے پس یہ یا تو حکایۃً ہے اور یا علی نزع الخافض ہے۔

﴿قولہ﴾ سَوًا بالقصر ہے لغۃً قرآءۃً ای حالۃ کونھا فی السورتین مستویتین وھو قولہ تعالی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا فی السورتین۔ خلاصہ یہ ہے کہ ظَـلَّ بمعنی دَامَ یا صَـارَ مع اپنے مشتقات کے قرآن عزیز میں نو جگہ واقع ہے جن کو حضرت مصنفؒ نے بالاستیعاب بیان فرمایا ہے۔ ایک سورۂ نحل میں ظَـلَّ وَجْهُـهٗ مُسْوَدًّا دوسرے سورۂ زخرف میں بعینہٖ اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے لفظ سَـــوًا سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، باقی آئندہ بیت میں مذکور ہیں۔

(56) وَظَـلْـتَ ظَـلْتُـمْ وَبِـرُوْمٍ ظَـلُّـوْا
كَـالْـحِـجْـرِ ظَـلَّـتْ شُـعَـرَا نَـظَـلّ

ت: ”اور ظَلْتَ اور ظَلْتُمْ اور سورۂ روم میں لَظَلُّوْا مثل سورۂ حجر کے اور ظَلَّتْ اور فَنَظَلُّ سورۂ شعراء میں۔“

ش: ﴿قولہ﴾ وَظَلْتَ الخ یعنی تیسرے ظَلَّ بمعنی دَامَ سے سورۂ طٰہٰ میں ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ہے چوتھے سورۂ واقعہ میں فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ پانچویں سورۂ روم میں لَظَلُّوْا مِنْ م بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ چھٹے سورۂ حجر میں فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ والیہ اشار بقولہ کالحجر ساتویں سورۂ شعرا میں ظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ آٹھویں اسی سورۃ میں فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ نویں سورۂ شوریٰ میں فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ اور یہ اگلے بیت میں

مذکور ہے۔

57 يَظْلَلْنَ مَحْظُوْرًا مَعَ الْمُحْتَظِرِ
وَكُنْتَ فَظًّا وَّجَمِيْعِ النَّظَرِ

ت: "يَظْلَلْنَ اور مَحْظُوْرًا مع مُحْتَظِرِ کے اور كُنْتَ فَظًّا اور تمام صیغے نَظَرَ کے بظاء معجمہ ہیں۔"

ش: ﴿قولہ﴾ مَحْظُوْرًا الخ من الحظر و هو المنع قرآن میں اس مادہ سے دو جگہ آیا ہے ایک سورۂ بنی اسرائیل میں وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا دوسرا سورۂ قمر میں كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ای كَهَشِيْمِ يجمعه صاحب الحظيرة لغنمه و الهشيم النبات اليابس المنكسر (قاری) باقی اس کے علاوہ سب حَضُوْرْ بضاد معجمہ سے آئے ہیں۔

﴿قولہ﴾ وَكُنْتَ فَظًّا بتشدید ظاء بمعنی بدخو قرآن عزیز میں صرف ایک جگہ سورۂ آل عمران میں آیا ہے وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ۔

﴿قولہ﴾ جَمِيْعِ النَّظَرِ یعنی نَظَرَ سے جس قدر صیغے نکلتے ہیں اور اس کے جتنے مشتقات ہیں وہ سب ظاء معجمہ سے ہیں اور یہ قرآن مجید میں چھیاسی جگہ آئے ہیں، اول سورۂ بقرہ میں وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ لیکن تین جگہ اس سے مستثنیٰ ہے جس کو حضرت مصنفؒ نے اگلے بیت میں بیان فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے:

58 اِلَّا بِوَيْلٍ هَلْ وَ اُوْلٰى نَاضِرَهْ
وَالْغَيْظِ لَا الرَّعْدِ وَهُوْدٍ قَاصِرَهْ

ت: "مگر سورۂ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ اور سورۂ دہر میں اور پہلا نَاضِرَهْ (سورہ قیامہ) میں ضاد معجمہ سے ہے نہ کہ ظاء معجمہ سے اور غَيْظْ بالظاء ہے لیکن سورۂ رعد و ہود کا (غَيْضْ) نہیں جو کہ کمی

ونقصان کے معنی میں ہے۔"

ش: ﴿قولہ﴾ اِلَّا بِوَيْلٍ الخ یعنی تین لفظ ایسے ہیں کہ وہ اگرچہ تلفظ میں نَظَرَ کے ساتھ مشابہ ہیں لیکن ضاد معجمہ سے ہیں۔ایک سورۃ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ میں نَضْرَةَ النَّعِيْمِ دوسرا هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ یعنی سورۃ دہر میں وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا تیسرا سورہ قیامہ میں پہلا نَاضِرَهْ یعنی وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ o اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ o

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ تمام مواد غَيْـظِ بمعنی غضب وغصہ ظاء معجمہ سے ہے اور قرآن میں اس مادہ سے گیارہ جگہ واقع ہے اول سورۃ آل عمران میں عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ مگر دو جگہ ایک سورۃ رعد میں وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ اور دوسرا سورۃ ہود میں وَغِيْضَ الْمَآءُ اگرچہ تلفظ میں غَيْـظُ بالظاء کے مشابہ ہیں لیکن معنی میں مختلف ہیں اور وہ ضاد معجمہ سے ہیں کیونکہ ان دونوں کے معنی نقصان اور کمی کے ہیں جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے قَاصِرَةٌ سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔لیکن شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی قاصرة عليهما کے ہیں، پس اس سے اشارہ ہے اس طرف کہ قَصْر بمعنی حَصْر ہے ای النفی منحصر فيهما و مقتصر عليهما۔

(59)

وَالْحَظِّ لَا الْحَضِّ عَلَى الطَّعَامِ
وَفِيْ ضَنِيْنٍ الْخِلَافُ سَامِيْ

ت: "اور حَظِّ ظاء معجمہ سے ہے نہ کہ حَضِّ عَلٰى طَعَامِ اور لفظ ضَنِيْنٍ میں اختلاف مشہور ہے۔

ش: ﴿قولہ﴾ وَالْحَظِّ یعنی مادہ حَظُّ بمعنی نصیب، قرآن مجید میں سات جگہ آیا ہے۔ اول سورۃ آل عمران میں يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ لَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ، مگر تین لفظ جو اس کے ساتھ تلفظ میں مشابہ لیکن معنی میں مخالف ہیں ضاد معجمہ سے ہیں، ایک سورۃ الحاقہ میں

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ دوسرا سورۂ ماعون میں بعینہٖ اسی طرح۔ تیسرے سورۂ فجر میں وَلَا تَحَآضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ پس یہ حَضِّ بالضاد سے مشتق ہیں اور اس کے معنی التحريض على فعل الشئ (کسی بات پر آمادہ کرنا) کے ہیں۔

﴿قولہ﴾ فِي ضَنِيْنٍ یعنی لفظ ضَنِيْنٍ جو سورۂ تکویر میں وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ہے اس میں قراء کا اختلاف ہے جو کہ مشہور و معروف ہے، پس امام ابن کثیر مکیؒ اور امام ابو عمرو بصریؒ اور امام کسائیؒ اس کو ظاء سے اور باقی قراء ضاد سے پڑھتے ہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّحْذِيْرَاتِ

احتیاط والی باتوں کا بیان

60

وَإِنْ تَلَاقَيَا الْبَيَانُ لَازِمٌ

أَنْقَضَ ظَهْرَكَ يَعَضُّ الظَّالِمُ

ت: ''اور اگر دو حرف (ضاد و ظاء) ایک ساتھ جمع ہوں تو ہر ایک کو ظاہر کر کے (جدا جدا) پڑھنا لازمی ہے جیسے أَنْقَضَ ظَهْرَكَ اور يَعَضُّ الظَّالِمُ۔

ش: ﴿قولہ﴾ وَإِنْ تَلَاقَيَا الخ ای الضاد و الظاء (البيان) ای فبيان كل منهما (لازم) (ملا علی القاریؒ) یعنی ضاد اور ظاء اگر قریب قریب واقع ہوں تو ہر ایک کو ان کے مخرج سے مع صفات کے ادا کرنا اور ایک کو دوسرے سے ممتاز اور جدا کر کے پڑھنا ضروری ہے تاکہ ایک دوسرے میں خلط نہ ہو جائے عام اس سے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی حرف فاصل ہو یا نہ ہو جیسے أَنْقَضَ ظَهْرَكَ اور يَعَضُّ الظَّالِمُ اور ان میں بوجہ بعد مخرج ادغام جائز نہیں ہے۔

شیخ یمنیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ادغام کر کے پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ابن

حضرت مصنفؒ اور شیخ رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ضاد کو ظاء سے یا ظاء کو ضاد سے بدل کر پڑھا تو فساد معنی کی وجہ سے نماز باطل ہو جائے گی۔ بحرقؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے قصداً ایسا کیا تو صحیح قول کی بنا پر بوجہ فساد معنی نماز باطل ہو جائے گی۔ اور شارح مصریؒ کا قول یہ ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ میں ضاد کو ظاء سے بدل کر پڑھا تو اس کی قرآءۃ اس کلمہ کے ساتھ صحیح نہ ہوگی ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

اقول وفيه خلاف طويل الذيل في هذا المبنى وخلاصة المرام ما ذكره ابن الهمام من ان الفصل ان كان بلا مشقة كالطاء مع الصاد فقراء الطالحات مكان الصالحات تفسد وان كان بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء قيل تفسدو اكثرهم لا تفسد۔

(یعنی اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے۔ البتہ ابن الہمامؒ نے جو بات کہی ہے وہ مناسب ہے وہ یہ کہ اگر فصل بلا مشقت ہے جیسے طائمع صاد لیکن اس نے **الصالحات** کی جگہ **الطالحات** پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر فصل کرنے میں مشقت ہوتی ہو جیسے طاء تاء میں تو بعض کہتے ہیں کہ نماز فاسد ہوگی لیکن اکثر علماء کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی) اور صاحب منیۃ المصلی نے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی نے ضاد کی جگہ ظاء پڑھا یا برعکس تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اکثر ائمہ اسی پر ہیں، اور محمد بن سلمہؒ نے ان سے یہ روایت کی ہے کہ چونکہ عجمی ان حروف میں امتیاز نہیں کر سکتے ہیں اس لئے ان کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ قاضی امام شہیدؒ فرماتے ہیں کہ احسن اس میں یہ ہے کہ اگر لفظ زبان پر جاری ہو گیا اور وہ غیر ممیّزہ ہے اور پڑھنے والا اپنے خیال میں سمجھتا ہے۔ کہ وہ صحیح طریقہ پر ادا ہو گیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور یہی محمد بن مقاتلؒ اور شیخ اسماعیل زاہدؒ سے مروی ہے، اور شارح منیہؒ نے کہا ہے کہ فتاویٰ حجت میں جو بیان کیا گیا ہے اس کے یہ معنی

ہیں کہ فقہاء کے حق میں اعادۂ صلوٰۃ کا فتویٰ دیا جائے اور عوام کے حق میں جواز کا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل اس باب میں حسن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اور نیز فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر کسی نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ کو بجائے ضاد کے ظاء معجمہ یا دال مہملہ سے پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر وَلَا الضَّآلِّيْنَ کو بظاء معجمہ یا بدال مہملہ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور جو بذال معجمہ پڑھا تو فاسد ہو جائے گی۔ واللہ اعلم (ملا علی قاریؒ)

(61) وَاضْطُرَّ مَعْ وَعَظْتَ مَعْ اَفَضْتُمْ
وَصَفِّ هَاجِبَاهُهُمْ عَلَيْهِمْ

ت: ”اور (اسی طرح) اُضْطُرَّ (میں ضاد اور طاء کو) اور وَعَظْتَ (میں ظاء اور تاء کو) اور اَفَضْتُمْ (میں ضاد اور تاء کو جدا جدا کر کے صاف پڑھو) نیز صاف و ظاہر کر کے پڑھو جِبَاهُهُمْ وَعَلَيْهِمْ۔“

ش: ﴿قولہ﴾ وَاضْطُرَّ الخ یعنی جب کہ ضاد اور ظاء معجمہ طاء یا تاء سے قبل واقع ہوں تو بوجہ خوف ادغام ہر ایک کو خوب اچھی طرح ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے کیونکہ ان میں اختلاف مخارج کی وجہ سے ادغام جائز نہیں ہے۔

اور شیخ زکریاؒ کا یہ قول کہ ویلزم بیان الضاد من الطاء فی قوله تعالى فَمَنِ اضْطُرَّ مع بيان الظاء من التاء الخ اس مقام و محل کے مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے اس واسطے کہ درمیان ضاد اور طاء مہملہ کے اور درمیان ظاء معجمہ اور تاء کے کوئی اشتباہ لازم نہیں آتا ہے جس کی وجہ سے اس کو مسلک ماسبق کے ساتھ منسلک کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ جس طرح ضاد معجمہ و ظاء معجمہ کے درمیان فرق و امتیاز دلانا اور ہر ایک کو ظاہر کر کے پڑھنا ضروری ہے اسی طرح یہاں بھی ضد کو طاء مہملہ سے اور ظاء کو تاء سے ممتاز اور جدا کر کے پڑھنا ضروری ہے۔ ملا علی

قاریؒ فرماتے ہیں وقد اصاب الشیخ خالدؒ حیث قال ھنا رجع الناظمؒ الی ما کان بصدده من الاحکام المتعلقة بالتجوید۔ واللہ اعلم بالصواب

﴿قولہ﴾ وَصَفِّ — امر من التصفیة ای خَلِّصْ (ھا) بالقصر ضرورة اور جِبَاهُهُمْ بالضم حکایۃً ہے اور عَلَيْهِمْ بالاشباع ہے ونحوه اِلَيْهِمْ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب ہائے ہوز ھاء یا یاء کے ساتھ جمع ہو جیسے جِبَاهُهُمْ اور عَلَيْهِمْ تو اس کو بھی صاف اور ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے کیونکہ ہاء حرف خفی ہے اور اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ اس کے اظہار کی کوشش کی جائے اور اس کو اچھی طرح صاف ادا کیا جائے' اور یہی حکم اِهْدِنَا اور اِلٰهُكُمْ کا بھی ہے۔

بَابٌ فِيْ اَحْكَامِ النُّوْنِ وَالْمِيْمِ الْمُشَدَّدَتَيْنِ

نون و میم مشدد اور میم ساکن کا بیان

(62) وَاَظْهِرِ الْغُنَّةَ مِنْ نُّوْنٍ وَّمِنْ
مِيْمٍ اِذَا مَا شُدِّدَا وَاَخْفِيَنْ

ت: ''اور ظاہر کر کے پڑھو غنہ کو نون اور میم میں جب کہ یہ دونوں مشدد ہوں اور اخفاء کرو......''

(63) اَلْمِيْمَ اِنْ تَسْكُنْ بِغُنَّةٍ لَّدَا
بَآءٍ عَلَى الْمُخْتَارِ مِنْ اَهْلِ الْاَدَا

ت: ''میم میں غنہ کے ساتھ اگر وہ ساکن ہو نزدیک باء کے اہل ادا کے مختار و پسندیدہ قول کے مطابق۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَاَظْهِرِ الْغُنَّةَ الخ یعنی نون اور میم جب مشدد ہوں تو ان میں غنہ کے ظاہر کرنے میں مبالغہ کرو اور بقدر ایک الف ادا کرو جیسے اِنَّ اور ثُمَّ وغیرہ اور یہ اس لئے کہ غنہ نون

ومیم کی صفت لازمہ ہے جو کہ ہر حالت میں ادا ہوتی ہے عام اس سے کہ وہ متحرک ہوں یا ساکن، مظہر ہوں یا مخفی، مدغم ہوں یا مشدد۔ فرق صرف اتنا ہے کہ غنہ ساکن میں متحرک سے اکمل اور مخفی میں مظہر سے زیادہ اور مدغم میں مخفی سے اتم ہوتا ہے۔ یہاں نون ومیم مشدد سے مراد عام ہے جو مدغم اور مشدد دونوں کو شامل ہے خواہ ایک کلمہ میں واقع ہوں جیسے اَلنَّارِ - اِنَّ - لَمَّا - ثَمَّ وغیرہ۔ یا دو کلموں میں ہوں جیسے مِنْ نَّاصِرِيْنَ اور كَمْ مِّنْ فِئَةٍ وغیرہ۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ تشدید بلا ادغام ایک ہی کلمہ میں ہوتی ہے دو میں نہیں ہوتی۔

پھر میم اصلی کے تین حال ہیں (۱) ادغام۔ (۲) اخفاء۔ (۳) اظہار۔ اگر میم ساکن کے بعد دوسری میم آئے تو وہاں ادغام ہوگا جیسا کہ ادغام مثلین کے بیان میں اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ دوسرا اخفا ہے جس کو حضرت ناظمؒ نے اپنے قول وَاَخْفِيَنْ الخ سے بیان کیا ہے یعنی جب میم ساکن اصلی کے بعد باء واقع ہو تو وہاں اخفاء ہوگا یعنی دونوں ہونٹوں کی خشکی کو نہایت نرمی کے ساتھ ملا کر صفت غنہ بقدر ایک الف ادا ہوگا اور پھر اس کے بعد ہی ہونٹوں کی تری کو سختی کے ساتھ ملا کر باء ادا کی جائے گی جیسے اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ - وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ وغیرہ اور اس اخفا کو اخفاء شفوی کہتے ہیں اس میں اظہار بھی جائز ہے مگر مختار اہل ادا اخفا ہی ہے اور اسی پر قراء کا عمل ہے اور یہی مذہب ابن مجاہدؒ وغیرہ کا ہے اور یہی قول علامہ دانیؒ صاحب تیسیر کا ہے اور اسی کو حضرت ناظمؒ نے اختیار کیا ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب التمہید میں اس کی تصریح کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

وبالاخفاء اخذتم قال شيخنا ابن الجنديؒ واختلف في الميم الساكنة اذا لقيت باء والصحيح اخفاء ها مطلقا و الى اظهار ها ذهب المكيؒ وابن المناديؒ و تبعه اياز محمد السمر قنديؒ واشتهر عند العامة ان حروف بوف تظهر عند ها الميم اى الاصلية (قاريؒ صفحه ۴۴)

اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہاں سکون میم سے مراد عام ہے خواہ اصلی ہو یا عارضی۔ مثال ہر ایک کی

اوپر گزر چکی ہے۔ اب اس کے بعد حضرت مصنفؒ میم ساکن اصلی کا تیسرا حکم بیان فرماتے ہیں۔

64 وَاَظْهِرَنْهَا عِنْدَ بَاقِي الْاَحْرُفِ
وَاحْذَرْ لَدٰى وَاوٍ وَّفَا اَنْ تَخْتَفِيْ

ت: ’’اور خوب ظاہر کر کے پڑھو میم ساکن کو نزدیک باقی حروف کے اور اس کے واؤ وفاء کے نزدیک (واقع ہونے کی صورت میں) اس کے مخفی ہونے سے بچو۔‘‘

ش: ﴿قولہ﴾ وَاَظْهِرَنْهَا الخ ای اظهر الميم البتة عند باقی الاحرف بالاشباع والمرادمنها غير الميم فان حكمها علم من ادغام المثلين نحو وِمنْهُمْ مَّنْ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب میم ساکن کے بعد میم اور باء کے علاوہ کوئی اور حرف آئے تو وہاں اس کو خوب ظاہر کر کے پڑھا جائے گا عام اس سے کہ میم ساکن اور باقی حروف میں سے کوئی حرف ایک کلمہ میں واقع ہو جیسے اَنْعَمْتَ وغیرہ یا دو کلموں میں سے جیسے مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ وغیرہ اور اس اظہار کو اظہار شفوی کہتے ہیں۔

اس کے بعد اپنے قول وَاحْذَرْ سے فرماتے ہیں کہ تم ایسی صورت میں جب کہ میم ساکن کے بعد واؤ یا فاء آئے تو وہاں اخفاء کرنے سے پرہیز کرو اور اس سے بچو کیونکہ بعض قراء قرب واتحاد مخرج کی وجہ سے اس میں مثل باء کے اخفاء کر دیتے ہیں اور اس کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ زبان بسبب قرب واتحاد مخرج اخفاء کی طرف سبقت کرتی ہے' پس اسی وجہ سے حضرت مصنفؒ نے اس کو صراحۃً ذکر فرمایا ہے ورنہ ان دونوں کا حکم ماقبل سے باقی حروف کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے جیسے عَلَيْهِمْ وَلَهُمْ فِيْهَا وغیرہ۔

فائدہ (۱): جاننا چاہیے کہ میم ساکن کا ادغام واؤ میں باوجود تجانس فی المخرج اس وجہ سے

جائز نہیں ہے تاکہ نون مدغمہ فی الواؤ کے ساتھ التباس لازم نہ آئے کیونکہ اگر اس میں ادغام کیا گیا تو پھر یہ معلوم نہ ہوگا کہ مدغم میم ہے یا نون' اسی طرح فاء میں بھی ادغام جائز نہیں ہے کیونکہ میم قوی اور فاء ضعیف ہے اور قوی کا ادغام ضعیف میں نہیں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ (۲): عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ میم ساکن کے بعد جب واؤ یا فاء آئے تو اس میں اظہار اس طرح کیا جائے کہ میم کے سکون میں ایک حرکت کی سی بو آجائے یہ بالکل غلط اور خلاف قاعدہ ہے۔ میم کا سکون بلا کسی تغیر کے کامل ادا کرنا چاہیے حرکت کی ہوا بھی نہ لگے۔

بَابٌ فِیْ اَحْکَامِ النُّوْنِ السَّاکِنَةِ وَالتَّنْوِیْنِ

نون ساکنہ اور تنوین کا بیان

65 وَحُکْمُ تَنْوِیْنٍ وَّنُوْنٍ یُّلْفٰی
اِظْهَارٌ ِن ادْغَامٌ وَّقَلْبٌ اِخْفَا

ت: ''اور حکم تنوین و نون ساکن کا پایا جاتا ہے (چار قسم پر) اظہار و ادغام و قلب اور اخفاء۔''

ش: ﴿قولہ﴾ یُلْفٰی الخ ای یوجد عند حروف الھجاء محصور فی اربعة اقسام وھی اظھار الخ خلاصہ یہ ہے کہ نون ساکن و تنوین کے چار حکم ہیں۔ (۱) اظہار۔ (۲) ادغام۔ (۳) قلب۔ (۴) اخفاء۔ اگرچہ بعض نے پانچ اور بعض نے تین بیان کئے ہیں' لیکن اکثر کے نزدیک چار حکم ہیں جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے بیان فرمایا ہے اور یہی مختار ہے۔ جنہوں نے پانچ حکم بیان کئے ہیں انہوں نے ادغام با غنہ اور بلا غنہ کو دو حکم شمار کئے ہیں اور جس نے تین کہے ہیں اس نے قلب کو علیحدہ شمار نہیں کیا ہے بلکہ اس کو اخفاء ہی میں داخل کر دیا ہے' پس اس وقت اخفاء کی دو قسمیں ہوئیں ایک اخفاء مع القلب دوسرے اخفاء بلا قلب۔ واللہ اعلم

اور نون ساکن و تنوین میں یہ فرق ہے کہ تنوین ہمیشہ اسم کے آخر میں دو زبر' دو زیر یا دو پیش کی

صورت میں لکھی جاتی ہے۔ وصل میں قائم اور وقف میں حذف ہو جاتی ہے، بخلاف نون ساکن کے کہ یہ وصل وقف اور کتابت میں قائم رہتا ہے اور اسم وفعل وحرف کے وسط اور آخر میں آتا ہے مگر چونکہ یہ دونوں تلفظ میں ایک ہیں اس لئے تنوین وصلاً نون ساکن کے حکم میں ہے۔ اب اس کے بعد حضرت مصنفؒ ان دونوں کے احکام اربعہ میں سے ہر حکم کو مفصلاً بیان فرماتے ہیں۔

(66) فَعِنْدَ حَرْفِ الْحَلْقِ اَظْهِرْ وَادَّغِمْ
فِي اللَّامِ وَالرَّا لَا بِغُنَّةٍ لَّزِمْ

ت: ''پس نزدیک حروف حلقی کے اظہار کرو اور ادغام کرو لام وراء میں بغیر غنہ کے لازمی طور پر۔''

ش: ﴿قولہ﴾ فَعِنْدَ حَرْفَ الْحَلْقِ الخ بالاضافة الجنسية ای عند حروف الحلقية (اظهر) ای النونين والمعنى فاظهرهما عندها۔

خلاصہ یہ ہے کہ نون ساکن وتنوین کے بعد جب حروف حلقی میں سے کوئی حرف آئے خواہ ایک کلمہ میں یا دوکلموں میں تو ان میں بعد مخرج کی وجہ سے اظہار ہوگا یعنی اپنے مخرج سے بلا کسی تغیر کے ادا کئے جائیں گے جیسے يَنْأَوْنَ۔ مَنْ اٰمَنَ۔ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ اور اس اظہار کو اظہار حلقی کہتے ہیں۔

حروف حلقی چھے ہیں جو اس شعر میں جمع ہیں ۔

حرف حلقی چھے ہیں سن اے نور عین همزه ہاء و حاء و خاء و عین و غین

اس کے بعد اپنے قول وَادَّغِمْ میں فرماتے ہیں کہ جب نون ساکن وتنوین کے بعد لام و راء آئے تو تم اس میں بوجہ قرب واتحاد مخرج ادغام بلا غنہ کرو جیسے مِنْ لَّدُنْهُ۔ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ وغیرہ اور غنہ کی جو نفی کی گئی ہے وہ مبالغہ فی التخفیف کی وجہ سے کی گئی ہے کیونکہ اس کے بقاء میں کچھ ثقل رہتا ہے۔

﴿قولہ﴾ لَزِمْ ترکیب میں مصدر محذوف کی صفت ہے ای ادغاما لازما یا جملہ مستانفہ مبینہ ہے یعنی ادغام کرنا ان دونوں کے تمام افراد میں لازم ہے بعض نسخوں میں لَـزِمْ کی جگہ اَتَمْ اسم تفضیل ہے اور یہ یا تو ادغام مقدر کی صفت ہے کما سبق اور یا مبتدا محذوف کی خبر ہے ای وذلك الادغام اتم اور یہ ظاہر ہے کہ جب ادغام بلا غنہ کیا جائے گا تو وہ یقیناً اکمل واتم ہوگا اس سے کہ جس میں غنہ باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم

(67) وَاَدْغِمَنْ بِغُنَّةٍ فِیْ یُوْمِنُ
اِلَّا بِکِلْمَةٍ کَدُنْیَا عَنْوَنُوْا

ت: ''اور ادغام کرو غنہ کے ساتھ یُوْمِنُ (کے چاروں حرفوں) میں مگر ایک کلمہ میں (نہیں) مثل دُنْیَا۔ عَنْوَنُوْا کے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَاَدْغِمَنْ الخ بالنون الخفیفة المؤكدة ومفعوله مقدر ای النونین اور

﴿قولہ﴾ یُوْمِنُ باشباع نون وبابدال ہمزہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نون ساکن وتنوین کے بعد جب حروف یُوْمِنُ میں سے کہ جو چار حرف ہیں کوئی حرف آئے تو وہاں ادغام باغنہ ہوگا جیسے وَاِنْ یَّرَوْا۔ مِنْ وَّالٍ۔ اِیْمَانًا وَّعَلٰی وغیرہ لیکن خلفؒ جو امام حمزہؒ کے راوی اول ہیں وہ واؤ و یاء میں ادغام بلا غنہ کرتے ہیں، پس اطلاق مصنف قرآءت عامہ کی بنا پر ہے۔ پھر تمام قراء اس پر متفق ہیں کہ غنہ مع الواؤ والیاء مدغم کا ہے اور مع النون مدغم فیہ کا اور ادغام مع المیم میں اختلاف ہے۔ ابن کیسان نحویؒ اور ابن مجاہد مقریؒ وغیرہما اس طرف گئے ہیں کہ تغلیباً للا صالۃ غنہ نون کا ہے اور جمہور کے نزدیک غنہ میم کا ہے مثل نون کے کہ اس میں غنہ مدغم فیہ کا ہے اسی کو علامہ دانیؒ اور محققین نے اختیار کیا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلا غنہ قلب کی وجہ سے جاتا رہا پس مِنْ مَّنْ اور اَمْ مَّنْ میں کوئی فرق نہیں ہے اور

ادغام کی وجہ نون میں تماثل اور میم میں تجانس ہے انفتاح و استفال اور جہر میں اور نیز یہ کہ واوٗ مخرج میم سے ہے یعنی شفتین سے ادا ہوتا ہے پس جب کہ نون ساکن وتنوین کا ادغام میم میں کیا جاتا ہے تو واوٗ میں بھی کیا جائے گا اور یاء میں ادغام اس واسطے کیا گیا ہے کہ وہ واوٗ کے مشابہ ہے اور واوٗ مشابہ میم کے ہے جیسا کہ ابھی اوپر معلوم ہوا ہے۔

﴿قولہ﴾ اِلَّا بِكِلْمَةٍ میں فرماتے ہیں کہ یہ ادغام نون ساکن وتنوین کا يُوْمِنُ کے چاروں حرفوں میں اس وقت ہوتا ہے جب کہ دو کلموں میں واقع ہوں، اور اگر ایک کلمہ میں واقع ہوں گے تو پھر بوجہ التباس بالمضاعف ادغام نہ ہوگا بلکہ اظہار ہوگا اور اس اظہار کو اظہار مطلق کہتے ہیں جیسے دُنْيَا - قِنْوَانٌ - بُنْيَانٌ - صِنْوَانٌ اور تمام قرآن مجید میں اس قسم کے صرف یہی چار لفظ آئے ہیں اور یہی حکم لام اور راء کا بھی ہے جب کہ یہ دونوں نون ساکنہ کے ساتھ ایک کلمہ میں واقع ہوں۔ حضرت مصنفؒ نے غالباً اس کا استثناء اس وجہ سے نہیں کیا ہے کہ قرآن شریف میں اس قسم کی مثال جس میں نون ساکنہ کے بعد لام اور راء ایک کلمہ میں واقع ہوں نہیں آئی ہے اور

﴿قولہ﴾ عَنْوَنُوْا جو واوٗ کی مثال دی گئی ہے وہ ضرورۃً ہے یا اس وجہ سے کہ اس سے اشارہ ہے اس طرف کہ واوٗ عام ہے خواہ اصلی ہو یا زائدہ ہر حالت میں ایک کلمہ میں واقع ہونے کی صورت میں ادغام نہ ہوگا۔ بعض نسخوں میں عَنْوَنُوْا کے بجائے صَنْوَنُوْا ہے، سو یہ اولیٰ ہے اس لئے کہ اصل اس کی صِنْوَانٌ قرآن میں موجود ہے کقولہ تعالیٰ: صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ، واللہ اعلم بالصواب.

فائدہ: جاننا چاہیے کہ يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ اور نٓ وَالْقَلَمِ کے نون میں قراء کا اختلاف ہے جیسا کہ علامہ شاطبیؒ نے اس کو بیان فرمایا ہے، پس امام حفصؒ، امام حمزہؒ، امام ابن کثیرؒ، امام ابوعمروؒ اور امام قالونؒ اس میں اظہار کرتے ہیں، باقی قراء ادغام۔ لیکن ورشؒ کے لئے نٓ وَالْقَلَمِ میں ادغام و اظہار دونوں وجہ ہیں، اسی طرح طٰسٓمّٓ کے ادغام فی المیم میں بھی اختلاف ہے۔

امام حمزہؒ نے اظہار اور باقی نے ادغام کیا ہے۔ واللہ اعلم

68 وَالْقَلْبُ عِنْدَ الْبَا بِغُنَّةٍ كَذَا
اِخْفَا لَدٰى بَاقِي الْحُرُوْفِ اُخِذَا

ت: ''اور قلب (نون ساکن وتنوین کو میم سے بدل کر پڑھنا) باء کے نزدیک غنہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح (غنہ کے ساتھ) اخفاء کرنا نزدیک باقی حروف کے اختیار کیا گیا ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَالْقَلْبُ الخ ای وقلب النونین میما عند ملاقاتهما الباء حال کونها مقرونة بغنة کما هو شان المیم الساکنة عند الباء من اخفائها لداها مع الغنة کما سبق عن اجلاء ارباب القراء ة فی نحو قوله وهم بربهم۔

خلاصہ یہ ہے کہ نون ساکن اور تنوین کے بعد جب باء آئے تو ان دونوں کو میم ساکن سے بدل کر غنہ کے ساتھ پڑھیں گے جیسے اَنْبِئْهُمْ۔ اَنْ بُوْرِكَ وغیرہ اور اس کو قلب یا اقلاب کہتے ہیں اور اس قلب کی وجہ یہ ہے کہ نون ساکن وتنوین میں غنہ کا ادا کرنا اور پھر اطباق شفتین کا ہونا جو باء کے سبب سے ہوتا ہے ان کے اظہار کی صورت میں مشکل ہے۔ اب رہا ادغام سو وہ بھی بوجہ اختلاف مخرج وقلت تناسب جائز نہیں ہے اس لئے ان میں اخفاء مع الابدال بالمیم ہی ہوگا اور میم سے ابدال اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ باء کے ساتھ مخرج میں اور نون کے ساتھ غنہ میں مشترک ہے۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾ كَذَا اس کا تعلق مصرع ثانی سے ہے یعنی وَكَذٰلِكَ بِغُنَّةٍ قوله الاخفاء بقصر الهمزة و بنقل حركة الهمزة الى اللام و الاكتفاء بها عن همز الوصل لغة وقراء ة كما سبق تحقيقه فى الاضراس والتقديرا خفاء هما۔

﴿قولہ﴾ اُخِذَا بصیغة المجهول و الفه للاطلاق و التقدیر اخذ به ای بالاخفاء۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح نون ساکن وتنوین میں قبل باء ابدال بالمیم کے ساتھ غنہ کیا جاتا ہے اس طرح ان دونوں میں جب کہ ان کے بعد ان چودہ حروف مذکورہ کے علاوہ باقی حرفوں میں سے کوئی حرف آئے تو غنہ کے ساتھ اخفاء کیا جائے گا' عام اس سے کہ یہ ایک کلمہ میں واقع ہوں یا دوکلموں میں جیسے مِنْ قَبْلُ - قَوْمًا ظَلَمُوْا وغیرہ۔ کسی نے ان باقی حروف کو جن کی وجہ سے نون ساکن وتنوین میں اخفاء ہوتا ہے اس شعر میں جمع کیا ہے اس طرح پر کہ اس کے ہر کلمہ کا پہلا حرف حرف اخفاء ہے اور وہ یہ ہے۔

صِفْ ذَا ثَنَا كَمْ جَادَ شَخْصٌ قَدْ سَمَا دُمْ طَيِّبًا زِدْ فِيْ تُقًى ضَعْ ظَالِمَا

ص ذ ث ك ج ش ق س د ط ز ف ت ض ظ

"اور الف چونکہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اس لئے وہ نون ساکن وتنوین کے بعد بوجہ اجتماع ساکنین نہیں آتا ہے۔"

اخفاء کے لغوی معنی پوشیدہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اظہار وادغام کی درمیانی حالت سے مع الغنہ ادا کرنے کو کہتے ہیں۔

اخفاء کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بقیہ حروف نہ تو ان دونوں سے اتنے قریب ہیں کہ ادغام کیا جائے اور نہ اتنے بعید ہیں کہ اظہار کیا جائے بلکہ اظہار وادغام کے بین بین ہیں جس کا یہ مطلب ہے کہ نون ساکن وتنوین ان بقیہ حروف کے قبل واقع ہونے کی صورت میں نہ تو پوری طرح مابعد کے حرف سے تبدیل ہوں گے اور نہ پوری طرح اپنی اصلی حالت پر باقی رہیں گے۔

اخفاء وادغام میں یہ فرق ہے کہ اخفاء حرف ساکن کے ساتھ خالی از تشدید ادا ہوتا ہے اور ادغام میں تشدید ہوتی ہے' دوسرے یہ کہ حرف کا اخفاء اس کی ذات میں ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے غیر کے نزدیک واقع ہو اس کے غیر میں نہیں ہوتا بخلاف ادغام کے کہ اس میں ایسا نہیں ہے۔

شارح یمنیؒ فرماتے ہیں کہ اخفاء کی حقیقت یہ ہے کہ نون کی ذات لفظ سے جاتی رہے صرف صفت غنہ باقی رہے پس اس وقت نون کا مخرج زبان سے خیشوم کی طرف منتقل ہو جائے گا اس واسطے کہ جب تم مثلاً عَنْكَ کہو اور اس میں اخفا کرو تو اس وقت زبان مرتفع نہ ہوگی اور نہ اس کے لئے کوئی عمل ہوگا اور اَنْتُمْ وغیرہ میں جو طرف زبان مرتفع ہوتی ہے وہ تاء کی وجہ سے ہے نون کی وجہ سے نہیں ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْمَدَّاتِ

مدوں کا بیان

(69) وَالْمَدُّ لَازِمٌ وَّ وَاجِبٌ اَتٰی
وَجَآئِزٌ وَّهُوَ وَقَصْرٌ ثَبَتَا

ت: ”اور مد لازم اور واجب آیا ہے اور مد جائز بھی ہے جس میں مد و قصر دونوں ثابت ہیں۔“

ش: ﴿قولہ﴾ وَالْمَدُّ الخ مد کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں۔ قال اللہ تعالی: يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ ای يَزِدْكُمْ اور اصطلاح قراء میں آواز کا حرف مد میں کھینچنا اور قصر کے معنی لغت میں حبس و منع کے ہیں۔ ومنہ قولہ تعالی: حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ ای محبوسات فیہا و یقال قَصَرْتُ فلانا عن حاجتہ ای منعتُ عنہا و منہ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف مد کو بغیر زیادتی کے ثابت رکھنا اور یہی اصل ہے کیونکہ حرف مد میں درازی مد کے لئے سبب کا ہونا ضروری ہے اور حضرت ناظمؒ نے مد کو قصر پر باوجودیکہ وہ اصل ہے جو مقدم ذکر کیا ہے وہ اس لئے کہ یہ مقصود بالذکر ہے اور قراء اسی سے بحث کرتے ہیں۔

پھر مد کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اصلی (۲) فرعی۔

(۱) مداصلی وہ ہے کہ حرف مد کی ذات بغیر اس کے قائم نہ رہے اور کسی سبب پر موقوف نہ ہو بلکہ حرف مد کا پایا جانا ہی اس میں کافی ہو جیسے نُوْحِیْهَا اور علامت اس کی یہ ہے کہ حروف مد کے بعد نہ کوئی حرف ساکن ہو اور نہ ہمزہ اور اس کو مد طبیعی بھی کہتے ہیں مقدار اس کی ایک الف ہے وصلاً ووقفاً اس سے کم کھینچنا شرعاً حرام ہے۔

(۲) مد فرعی اس کو کہتے ہیں کہ مداصلی پر اسباب مد میں سے کسی سبب کے پائے جانے کی وجہ سے زیادتی مد کرنا اور اس زیادتی مد کے دو سبب ہیں، ہمزہ وسکون۔ پھر ہمزہ وحرف مد ایک کلمہ میں ہوں گے یا دو کلموں میں، اسی طرح سکون یا اصلی لازمی ہوگا یا عارضی۔

پس مد کی چار قسمیں ہوئیں جن کی طرف حضرت ناظمؒ نے لازم واجب اور جائز سے اجمالاً اشارہ فرمایا ہے۔ تعریف ہر ایک کی مع اس کے حکم کے آئندہ آتی ہے اور چونکہ مد عارض و مد جائز دونوں مد وقصر کے حکم جواز میں فی الجملہ مشترک ہیں اس لئے مد عارض بھی مد جائز میں مندرج ہے اور اسی وجہ سے حضرت مصنفؒ نے بھی مد کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ اب اس کے بعد اس اجمال کی تفصیل بیان فرماتے ہیں۔

(70) فَلَازِمٌ اِنْ جَآءَ بَعْدَ حَرْفِ مَدْ
سَاكِنُ حَالَيْنِ وَبِالطُّوْلِ يُمَدْ

ت: ”پس مد لازم ہے اگر آئے بعد حرف مد کے کوئی ایسا حرف جو دونوں حال (وقف ووصل) میں ساکن ہو۔ اور یہ طول کے ساتھ مد کیا جائے گا۔“

ش: ﴿قولہ﴾ فَلَازِمٌ الخ ترکیب میں مبتدا محذوف کی خبر ہے ای فالمد لازم اور ﴿قولہ﴾ سَاكِنُ حَالَيْنِ ﴿قولہ﴾ جَآءَ کا فاعل ہے ای ان جاء ساکن فی حالی الوصل والوقف اور قولہ: بِالطُّوْلِ يُمَدْ کے معنی ای یزداد حرف المد بقدر ثلاث الفات علی خلاف فی اعتبار المدُ الاصلی معها او بدونه

کے ہیں۔ (قاریؒ)

خلاصہ یہ ہے کہ مد لازم اس کو کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد ایسا سکون ہو کہ جو وصل و وقف دونوں حال میں باقی رہے یعنی سکون اصلی لازمی ہو اور اس کی چار قسمیں ہیں اس واسطے کہ یہ سکون یا تو محض سکون ہی ہوگا یا بصورت تشدید واقع ہوگا پھر حرف مد اور سکون کا اجتماع یا کلمہ میں ہوگا یا حروف مقطعات میں۔ پس اگر کلمہ میں حرف مد کے بعد محض سکون ہے تو کلمی مخفف اور اگر مشدد حرف ہے تو کلمی مثقل ہے۔ اسی طرح اگر حروف مقطعات میں حرف مد کے بعد محض سکون ہے تو حرفی مخفف اور جو مشدد حرف ہے تو اس کو حرفی مثقل کہتے ہیں' مد لازم کلمی وحرفی مخفف کی مثال آلْئٰنَ – قٓ – صٓ وغیرہ اور مثقل کی دَآبَّةٌ اور الٓمّٓ وغیرہ ہے۔

مد لازم کی ان چاروں قسموں میں طول علی التساوی (برابر برابر) ہوگا اور بعض کے نزدیک مثقل میں زیادہ ہے اور بعض کے نزدیک مخفف میں مگر جمہور کے نزدیک تساوی ہے۔ طول کی مقدار تین الف اور ایک قول میں پانچ الف ہے اور توسط کی مقدار دو یا تین الف ہے۔ پس پڑھتے وقت جو بھی قول اختیار کیا جائے اس میں تساوی و توافق کا ضرور خیال رکھا جائے۔

(71) وَ وَاجِبٌ اِنْ جَآءَ قَبْلَ هَمْزَةٍ
مُتَّصِلًا اِنْ جُمِعَا بِكِلْمَةٍ

ت: ''اور مد واجب ہے اگر آئے حرف مد ہمزہ کے قبل اس طرح پر کہ حرف مد ہمزہ کے متصل ہو بایں طور کہ وہ دونوں ایک کلمہ میں جمع ہو گئے ہوں۔''

ش: ﴿قولہ﴾: وَاجِبٌ الخ ای والمد واجب ان جاء حرف المد قبل الهمزة حال كون حرف المد متصلا بها بان اجتمعا فی كلمة واحدة

یعنی مد واجب اس کو کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد ہمزہ ہو اور دونوں ایک کلمہ میں واقع ہوں جیسے جَآءَ – جِیْٓءَ – سُوْٓءَ وغیرہ اور اس کو مد متصل بھی کہتے ہیں۔ مقدار اس کی بھی تین یا

چار الف ہے جس کو چاہے اختیار کرے۔ لیکن قصر اس میں کسی قاری کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ البتہ علی حسب مذاہب مقدار زیادتی میں اختلاف ہے۔ کسی نے زیادہ اور کسی نے اس سے کم اور کسی نے اس سے بھی کم کیا ہے اور منشاء اختلاف مد اصلی کی مقدار کو داخل کرنا اور نہ کرنا ہے۔ غرضیکہ یہ نزاع لفظی ہے اور چونکہ یہ کتاب حضرت حفصؒ کی روایت کے موافق ہے اس لئے کوئی اختلاف بیان نہیں کیا جاتا ہے اور جن لوگوں نے وجوب اور لزوم کو ایک معنی میں کہا ہے وہ اس اعتبار سے کہا ہے کہ ان دونوں میں مد کرنا ضروری ہے ورنہ حقیقت میں سبب کے لحاظ سے ان دونوں میں فرق ہے۔ واللہ اعلم

(72) وَجَـآئِـزٌ اِذَا اَتٰـى مُنْـفَـصِلَا
اَوْ عَـرَضَ السُّكُوْنُ وَقْـفًـا مُّسْجَلَا

ت: ''اور مد جائز ہے جب کہ آئے حرف مد (ہمزہ کے قبل) اس حالت میں کہ وہ ہمزہ سے جدا ہو (یعنی دوسرے کلمہ میں واقع ہو) یا حرف مد کے بعد سکون وقفی مطلقاً عارض ہو۔''

ش: ﴿قولہ﴾: وَجَـآئِـزٌ الخ ای والمد جائز اذا جاء حرف المد قبل الھمزۃ حال کون حرف المد منفصلا عن الھمزۃ بان اجتمعا فی کلمتین۔

خلاصہ یہ ہے کہ مد جائز اس کو کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد ہمزہ دوسرے کلمہ میں واقع ہو اس طرح پر کہ حرف مد اول کلمہ کے آخر میں اور ہمزہ دوسرے کلمہ کے شروع میں ہو جیسے مَآ اُنْزِلَ۔ اَلَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وغیرہ اور اس کو مد منفصل بھی کہتے ہیں۔ یہ مد اس وقت ہوتا ہے جبکہ دونوں کلموں کو ملا کر پڑھا جائے اور اگر پہلے کلمہ پر وقف کر دیا تو پھر یہ مد نہ ہوگا اور اسی وجہ سے اس کو مد جائز کہتے ہیں کیونکہ یہ وصل میں ہوتا ہے' وقف میں نہیں ہوتا اور بعض نے جائز کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس میں باعتبار مد و قصر کے قراء کا اختلاف ہے' بعض مد کرتے ہیں اور بعض قصر

اور بعض مد و قصر دونوں کرتے ہیں۔ حضرت حفصؒ کی روایت میں بطریق شاطبیؒ اس میں مد ہی ہوگا' اس کی بھی مقدار تین الف و چار الف ہے اور وہی تفاوت زیادتی مقدار میں یہاں بھی ہے جیسا کہ مد متصل میں اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾: اَوْ عَرَضَ السُّكُوْنُ الخ او للتنويع لا للترديد عاطفة لما بعدها على قوله اتى اى و المد جائز ايضًا اذا عرض السكون حال كون السكون ذا وقف او موقوفًا عليه۔

یعنی یہ بھی مد جائز ہی ہے جب کہ حرف مد کے بعد سکون وقفی آیا ہو عام اس سے کہ یہ سکون وقف بالاسکان کی وجہ سے آیا ہو یا بالاشمام کی وجہ سے۔ پس اس میں تعمیم ہے جس کی طرف حضرت مصنفؒ نے مُسْجَلًا یعنی مطلقاً سے اشارہ فرمایا ہے اور چونکہ وقف بالروم میں کچھ اشارہ حرکت ہوتا ہے اس لئے وہ اس میں داخل نہیں ہے اور اس کا حکم مثل حکم وصل کے ہے اور روم و اشمام کے معنی عن قریب اپنے موقعہ پر ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کئے جائیں گے۔

مد عارض وقفی کی مثال الرَّحِيْمْ۔ نَسْتَعِيْنْ اور اَلصِّرَاطْ وغیرہ ہے۔ پس اس میں جمیع قراء کے لئے تین وجوہ جائز ہیں طول' توسط' قصر' طول کی مقدار تین الف اور توسط کی دو الف اور قصر کی ایک الف ہے اور یہی تینوں وجوہ مد لین عارض میں بھی جائز ہیں' فرق صرف اتنا ہے کہ مد عارض میں طول اولیٰ ہے پھر توسط' پھر قصر اور مد لین عارض میں اول مرتبہ قصر کا ہے پھر توسط کا پھر طول کا مگر مد لین لازم جیسے عین مریم و شوریٰ میں طول اولیٰ و افضل ہے کیونکہ اس میں حرف لین کے بعد سکون لازمی ہے مثال مد لین عارض کی خَوْفْ و بَيْتْ وغیرہ ہے۔

فائدہ (۱): الٓمّٓ اللّٰهُ پر اگر وقف نہ کریں بلکہ میم کو لفظ اللہ سے ملا کر پڑھیں تو اس وقت میم مفتوح پڑھا جائے گا اور اس میں قصر و طول دونوں جائز ہیں۔

فائدہ (۲): اگر کسی کلمہ میں وقف کی وجہ سے دو مد جمع ہو جائیں ایک متصل دوسرا مد بسکون

عارض تو اس میں صرف طول وتوسط ہوگا قصر نہ ہوگا تاکہ سبب اصلی کا الغاء سبب عارضی (سکون) کی وجہ سے لازم نہ آئے جیسے سُوْٓءٌ- جَآءَ- سِیْٓئَ وغیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ مَعْرِفَةِ الْوُقُوْفِ

وقفوں کی پہچان کا بیان

(73) وَبَعْدَ تَجْوِيْدِكَ لِلْحُرُوْفِ
لَابُدَّ مِنْ مَّعْرِفَةِ الْوُقُوْفِ

ت: ''اور بعد جان لینے حرفوں کی تجوید کے، ضروری ہے معرفت (کیفیت) وقوف کی۔''

(74) وَ الِابْتِدَآءِ وَهِيَ تُقْسَمُ اِذَنْ
ثَلَاثَةً تَامٌ وَّكَافٍ وَّحَسَنْ

ت: ''اور ابتدا کی اور وہ (وقوف) تقسیم کئے جاتے ہیں اس وقت تین قسم پر تام وکافی اور حسن۔''

ش: ﴿قولہ﴾: وَبَعْدَ تَجْوِيْدِكَ الخ ای وبعد معرفة تجويدك للحروف لابدلك من معرفة الوقوف والابتداء۔

یعنی جب حضرت مصنفؒ تجوید اور اس کے احکام کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب اس کے بعد مواضع وقوف اور محل ابتداء کو بیان فرماتے ہیں کیونکہ قاری کے لئے ان دونوں کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے لما ورد ان عليا رضى الله عنه سئل عن قوله تعالىٰ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا فقال الترتيل هو تجويد الحروف و معرفة الوقوف و فى الصحيحين ان ام سلمةؓ قالت كان رسول الله ﷺ يقطع قراء ته يقول اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ثم يقف (الحديث)۔

اور ابو حاتمؒ فرماتے ہیں: من لم يعرف الوقف لم يعرف القران وقال ابن

الانباری من تمام معرفۃ القران معرفۃ الوقف والابتداء اذلایتاتی لاحد معرفۃ معانی القران الا بمعرفۃ الفواصل۔

﴿قولہ﴾: اَلْوُقُوْفِ جمع وقف کی ہے اور جمع باعتبار اس کی انواع کے لائی گئی ہے کہ جو محل واحد میں اسکان واشمام وروم سے پائی جاتی ہے۔

﴿قولہ﴾: وَالْاِبْتِدَآءِ اس کو مفرد اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ یہ وقوف کی طرح متنوع نہیں ہوتا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اظہر یہ ہے کہ وقوف مصدر ہے مثل ابتداء کے چنانچہ قاموس میں ہے وَقَفَ- یَقِفُ- وُقُوْفًا دام قائم والموقف محل الوقوف پھر فرماتے ہیں کہ اگر مضاف مقدر مانا جائے اور یوں کہا جائے معرفۃ مواضع الوقوف و محال الابتداء تو کچھ بعید نہیں ہے یا یہاں مصدری معنی مراد ہیں یعنی معرفۃ کیفیۃ الوقوف والابتداء۔

وقف کے لغوی معنی مطلقاً کسی شئے سے رک جانے کے ہیں اور اصطلاح قراء میں ہر کلمہ کے آخر حرف پر سکون کے ساتھ سانس اور آواز بند کر کے توقف کرنا۔

﴿قولہ﴾: وَهْيَ بسکون ھاء اس کا مرجع وقوف ہے اور ﴿قولہ﴾: تُقْسَمُ مخففاً مضارع مجہول کا صیغہ ہے اور ﴿قولہ﴾: اِذَنْ ای حینئذ اس کا ظرف ہے کما صرح بہ الرومی وقال الشیخ زکریا و تبعہ المصری زائدۃ وفیہ أن اِذا الزائدۃ لا تکون منونۃ اور ﴿قولہ﴾ ثَلَاثَةً بنا بر مفعول منصوب ہے اور (اِلٰی بسبب دلالت حال محذوف ہے) اور ﴿قولہ﴾: تَامٌّ مخفف مبتدا محذوف هِيَ کی خبر ہے اور ﴿قولہ﴾ كَافٍ بکسر الفاء منون مرفوع ہے اور اس کی علامت رفع مقدر ہے کاعراب قاض مرفوعا اور ﴿قولہ﴾: حَسَنْ بنا بر وقف ساکن ہے۔

تنبیہ: یاد رکھو کہ وقف کی اولاً چار قسمیں ہیں: (۱) اختیاری (۲) انتظاری (۳) اضطراری

(۴) اختیاری۔

(۱) وقف اختباری:

اگر قاری و مقری کے درمیان سمجھنے و سمجھانے کی غرض سے کسی کلمہ پر امتحاناً وقف کیا جائے کہ اس کلمہ پر کس طرح وقف کریں گے بالاشمام یا بالروم یا بالاثبات یا بالحذف وغیرہ تو اس کو وقف اختباری کہتے ہیں۔

(۲) وقف انتظاری:

اگر اختلاف روایت کے جمع کرنے کی غرض سے کسی کلمہ پر وقف کیا جائے تاکہ دوسرے کلمہ کا اس پر عطف ہو جائے تو اس کو وقف انتظاری کہتے ہیں۔

(۳) وقف اضطراری:

اگر سانس کے تنگ ہو جانے یا بھول جانے کی وجہ سے وقف کیا جائے تو اس کو وقف اضطراری کہتے ہیں اور یہ وقف ہر کلمہ پر کیا جا سکتا ہے خواہ معنی تمام ہوں یا نہ ہوں جیسا کہ مبتدا پر بلا خبر کے اور موصوف پر بلا صفت کے اور شرط پر بلا جزاء کے اور موصول پر بغیر صلہ کے، لیکن اس وقت اس کلمہ سے کہ جس پر وقف کیا ہے یا اس کے قبل سے لوٹا کر پڑھنا ضروری ہے۔

(۴) وقف اختیاری:

وقف اختیاری وہ ہے کہ جو قصداً بلا عارض ہونے کسی سبب کے وقف کیا جائے۔ حضرت مصنفؒ نے جو وقوف ثلاثہ تام و کافی اور حسن بیان کئے ہیں وہ اسی وقف اختیاری کی اقسام ہیں۔ اب اس کے بعد ہر ایک کی تعریف اور اس کا حکم بیان فرماتے ہیں۔

(75) وَهْيَ لِمَا تَمَّ فَإِنْ لَّمْ يُوجَدِ
تَعَلُّقٌ أَوْ كَانَ مَعْنًى فَابْتَدِيْ

ت: ”اور وہ (وقوف مذکورہ اس وقت ہوتے ہیں) جب کہ کلام تام ہو پس اگر نہ پایا جائے کوئی تعلق (لفظی یا معنوی) یا صرف تعلق معنوی ہو تو مابعد سے ابتداء کرو۔“

ش: ﴿قولہ﴾: وَهِيَ لِمَا تَمَّ الخ ای وهذه المواقف المذكورة انما تكون لما تم معناه لالما كمل مبناه یعنی یہ وقوف اس لفظ پر ہوتے ہیں کہ جہاں کلام تمام ہو جاتا ہے اور کسی ایک حکم کا فائدہ دیتا ہے، پھر اگر اس لفظ کو جس پر وقف کیا ہے اپنے بعد والے لفظ سے کوئی تعلق نہ لفظاً ہو اور نہ معنیً یا صرف تعلق معنوی ہو نہ کہ لفظی تو ان دونوں صورتوں میں مابعد سے ابتدا کی جائے گی اور اول قسم کو جس کو اپنے بعد والے لفظ سے کوئی تعلق نہ ہو تام کہتے ہیں۔ اور ثانی کو جس میں بعد والے لفظ سے صرف معنوی تعلق ہو لفظی نہ ہو کافی کہتے ہیں جیسا کہ خود حضرت ناظمؒ نے اگلے بیت میں بیان کیا ہے:

(76) فَالتَّامُ فَالْكَافِيْ وَلَفْظًا فَامْنَعَنْ
إِلَّا رُءُوْسَ الْاٰيِ جَوِّزْ فَالْحَسَنْ

ت: ”پس پہلا تام اور دوسرا کافی ہے اور اگر تعلق لفظی ہو تو پھر مابعد سے ابتدا کرنے کو منع کرو مگر رؤس آیات میں اس کو جائز رکھو اور یہ وقف حسن ہے۔“

ش: ﴿قولہ﴾: فَالتَّامُ الخ تقدير الكلام وقل اما الوقف على الاول منهما فالتام واما الوقف على الثانی فالكافی یعنی جس کلمہ پر وقف کیا ہے اس کا تعلق مابعد سے نہ لفظی ہو اور نہ معنوی تو یہ وقف تام ہے جیسے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وغیرہ اور اگر ایسے کلمہ پر وقف کیا ہے کہ اس کو اپنے بعد والے کلمہ سے تعلق معنوی ہے تو اس کو وقف کافی کہتے ہیں جیسے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ وغیرہ۔

اس کے بعد ﴿قولہ﴾ لَفْظًا سے وقف اختیاری کی تیسری قسم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر لفظ موقوف علیہ کو اپنے مابعد سے تعلق لفظی و معنوی دونوں ہوں کیونکہ تعلق لفظی سے تعلق

معنوی کا ہونا لازم ہے بخلاف اس کے عکس کے یعنی تعلق معنوی سے تعلق لفظی کا ہونا لازم نہیں آتا ہے جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وغیرہ پر وقف کریں تو اس کو وقف حسن کہتے ہیں کیونکہ اس جگہ وقف کرنا تو حسن ہے لیکن مابعد سے ابتدا کرنا تعلق لفظی کی وجہ سے جائز نہیں ہے بلکہ ماقبل سے اعادہ کرنا ضروری ہے البتہ رُءُ وْسِ اٰیِ پر کہ جہاں تعلق لفظی ہو جیسے رَبِّ الْعٰلَمِیْنْ وغیرہ پر وقف کرنے کے بعد ماقبل سے اعادہ نہیں کریں گے بلکہ مابعد سے ابتدا کرنا بوجہ رُءُ وْسِ اٰیِ مستحسن ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کے مثل پر وقف کرنا اولیٰ ہے یا مابعد سے وصل کرنا اعلیٰ ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ رُءُ وْسِ اٰیِ پر وقف کرنا سنت ہے۔ **لما ذکرہ ابن المصنف بروایتہ عن ابیہ بسندہ المتصل الی ام سلمۃؓ کان اذا قرأ قطع ایۃ ایۃ یقول بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم یقف ثم یقول الحمد للہ رب العلمین ثم یقف ثم یقول الرحمن الرحیم ثم یقف قال و لھذا الحدیث طرق کثیرۃ وھو اصل فی ھذا الباب**

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رُءُ وْسِ اٰیِ پر وقف کرنا مستحب ہے عام اس سے کہ تعلق لفظی ہو یا نہ ہو اسی کو امام بیہقیؒ نے اختیار کیا ہے۔ علامہ ابوعمرو دانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ احب (سب سے زیادہ پسندیدہ) ہے لیکن یہ قول ارباب وقوف کے خلاف ہے مثل سجاوندیؒ اور صاحب خلاصہؒ وغیرہما جو اس طرف گئے ہیں کہ رُءُ وْسِ اٰیِ اور غیر رُءُ وْسِ اٰیِ دونوں باعتبار تعلق و عدم تعلق ایک حکم میں ہیں، پس اسی وجہ سے انہوں نے آیت پر رمز ''لا'' وغیرہ لکھا ہے جیسا کہ غیر آیت پر لکھا ہے۔ اگرچہ ان کے نزدیک بھی رُءُ وْسِ اٰیِ کے بعد سے ابتدا کرنا جائز ہے، واللہ اعلم

جاننا چاہیے کہ قرآن شریف پڑھنے میں ان اقسام ثلاثہ کی رعایت صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کے معنی جانتے ہو اور علم عربی سے بھی واقف ہوں اسی وجہ سے علامہ سجاوندیؒ وغیرہ نے ان لوگوں کی سہولت کی غرض سے جو صرف و نحو اور معانی سے ناواقف ہیں وقف کی پانچ قسمیں قرار

دے کر ان کی علامتیں اور رموز لکھ دی ہیں تاکہ وقف کرنے میں آسانی ہو۔

وہ پانچ قسمیں یہ ہیں۔(۱) لازم کہ جس کی علامت میم ہے۔(۲) مطلق اس کی علامت ط ہے۔(۳) جائز اس کی علامت جیم ہے۔(۴) مجوز اس کی علامت ز ہے۔(۵) مرخص، اس کی علامت ص ہے۔

ان کے علاوہ چار قسم کی علامتیں اور بھی ہیں جو بعض قرآن مجید میں پائی جاتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔(۱) ق یہ علامت قیل علیہ الوقف کی ہے۔(۲) صــــــل یہ علامت قد یوصل کی ہے۔(۳) ك یہ علامت کــذلك کی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا حکم وقف کے بارے میں مثل ما سبق کے ہے۔(۴) قف بصیغہ امر ہے (یعنی رکو) اور بعض جگہ تین تین نقطے قریب قریب لکھے ہوئے ہوتے ہیں، سو یہ اور لفظ مع جو بعض قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہوتا ہے وقف معانقہ کی علامت ہے اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے پر وقف کرو اور دوسرے کو ملا کر پڑھو یا برعکس تاکہ معنی کی وضاحت ہو جائے، البتہ اگر کسی قاری نے اس کا التزام کیا کہ جب تک سانس ختم نہ ہوگا کسی علامت وقف پر وقف نہ کروں گا تو وہ اگر دونوں جگہ وصل کر لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ قاری کی مثال مسافر کے اور اوقاف کی مثال منازل کے لکھتے ہیں تو جیسا کہ ہر منزل پر بلا ضرورت ٹھہرنا فعل عبث ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ جب ان علامات مذکورہ میں سے کسی علامت پر وقف کرو تو ابتداء مابعد سے کرنی چاہیے ماقبل سے اعادہ نہ کیا جائے۔

77

وَغَيْــرُ مَـــا تَــمَّ قَبِيْــحٌ وَّلَــــهُ
يُــوْقَفُ مُــضْــطَــرًّا وَّيُـــبْـدَا قَبْـلَــهُ

ت: ’’اور کلام غیر تام پر وقف کرنا قبیح ہے اور (اس پر) قاری کے لئے وقف کرنا بحالت اضطرار (مجبوری) جائز ہے اور (اس وقت) ماقبل سے ابتدا کی جائے گی۔‘‘

ش: ﴿قولہ﴾: وَغَيْرُ مَاتَمَّ الخ یعنی اگر قاری نے کسی ایسے لفظ پر سانس کے تنگ ہو جانے

یا سانس پھول جانے کی وجہ سے وقف کر دیا کہ وہاں کلام تمام نہ ہو جیسے بِسْمِ پر بِسْمِ اللّٰہِ میں یا اَلْحَمْدُ پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں' اسی طرح مضاف پر بلا مضاف الیہ کے' فعل پر بلا فاعل کے یا فاعل پر بلا مفعول کے' مبتدا پر بلا خبر کے' موصول پر بغیر صلہ کے وغیر ذلک' تو اس کو وقف قبیح کہتے ہیں کیونکہ اس صورت میں معنی مقصود ظاہر نہیں ہوتے ہیں' بلکہ بعض جگہ تو وقف کرنے سے معنی غیر مراد کا وہم ہو جایا کرتا ہے' لہٰذا ایسے موقعہ پر بحالت اضطرار (و مجبوری) وقف کرنا تو درست ہے لیکن ابتدا مابعد سے جائز نہیں ہے بلکہ ماقبل سے اعادہ کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ معنی مراد اچھی طرح ظاہر ہو جائیں۔ واللہ اعلم

(78) وَلَیْسَ فِی الْقُرْاٰنِ مِنْ وَّقْفٍ وَّجَبْ
وَلَا حَرَامٌ غَیْرُ مَا لَہٗ سَبَبْ

ت: ''اور نہیں ہے قرآن مجید میں کوئی وقف واجب اور نہ حرام سوائے اس جگہ کے کہ اس کے لئے کوئی سبب تحریم ہو۔''

ش: ﴿قولہ﴾: وَلَیْسَ فِی الْقُرْاٰنِ الخ یعنی قرآن عزیز میں کوئی ایسا وقف واجب نہیں ہے کہ اگر وہاں وقف نہ کیا گیا تو گنہگار ہوگا البتہ وقوف قرآنی کا لحاظ رکھنا بہ سبب لزوم عرفی مستحب ہے کیونکہ حضرت علیؓ کا وہ کلام جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اس کے وجوب تعلم اور معرفت پر دلیل ہے' حضرات صحابہؓ کا اس پر اجماع ہے' سلف صالحین سے اس کا تعلم اور اعتناء بطور تواتر ہم تک پہنچا ہے' اسی سبب سے اکثر ائمہ خلف نے شرط کے درجہ میں کہا ہے کہ مجیز اس وقت تک کسی کو اجازت نہ دے جب تک کہ وہ وقوف اور ابتداء سے اچھی طرح واقف نہ ہو وقال الامام ابو زکریا الوقف فی الصدر الاول من الصحابۃ والتابعین وسائر العلماء مرغوب فیہ من مشائخ القراء والائمۃ الفضلاء مطلوب فیما سلف من الاعصار و ارادۃ بہ الاخبار الثابتۃ و الأثار الصحیحۃ. (قاری)

﴿قولہ﴾: حَرَامٌ اس میں رفع وجر دونوں جائز ہیں رفع تو اس لئے کہ اس کا عطف مِنْ وَّقْفٍ کے محل پر ہے۔ اور وہ لَیْسَ کا اسم ہے اور جر اس وجہ سے کہ اس کا عطف اس کے لفظ پر ہے کما قرئ بالوجھین فی قولہ تعالی هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن عزیز میں کوئی وقف واجب نہیں ہے اس معنی کر کہ اس کا تارک گنہگار ہوگا اسی طرح قرآن میں کسی جگہ وقف کرنا بھی حرام نہیں ہے کہ اگر وہاں وقف کیا جائے تو گنہگار ہو جائے گا۔ کیونکہ وقف و وصل کسی ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتے ہیں کہ جس کے کرنے اور نہ کرنے سے معنی میں خلل واقع ہو البتہ ایسے موقعہ پر وقف کرنا کہ وہاں کوئی سبب تحریم اور موجب تاثیم پایا جاتا ہو قصداً وقف کرنا حرام ہے جیسے کہ کوئی وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اور اِنِّیْ كَفَرْتُ پر بلا ضرورت قصداً وقف کر دے' اور مسلمان جو معنی سے واقف ہے قصداً ایسی جگہ وقف نہیں کرے گا تا کہ خلاف معنی مقصود کا وہم نہ ہو اور بلا قصد ایسے موقع پر وقف یا وصل کرنا حرام نہیں ہے' اور جو لوگ معنی سے واقف نہیں ہیں ان کے لئے گنجائش ہے' لیکن بہتر یہی ہے کہ ایسے مقام پر وقف نہ کریں اگر چہ بلا قصد ہی کیوں نہ ہو تا کہ معنی غیر مراد مفہوم نہ ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ مَعْرِفَةِ الْمَقْطُوْعِ وَالْمَوْصُوْلِ

مقطوع اور موصول کی پہچان کا بیان

(79) وَاعْرِفْ لِمَقْطُوْعٍ وَّمَوْصُوْلٍ وَّتَا
فِیْ مُصْحَفِ الْاِمَامِ فِيْمَا قَدْ اَتٰی

ت: "اور پہچان لو تم مقطوع اور موصول اور تاء تانیث (کی رسم خط) کو مصحف امام میں اس رسم خط کے موافق جو (ہم تک) پہنچی ہے۔"

ش: ﴿قولہ﴾: وَاعْرِفْ الخ ای واعرف المرسوم فی مقطوع و موصول

و تاء کائنة فی مصحف الامام فی ما قد وصل رسمه الینا من طریق علمائنا الاعلام۔

خلاصہ یہ ہے کہ قاری کے لئے مقطوع وموصول کی رسم خط کا پہچاننا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ اس پر عمل وقف ووصل فرعاً مرتب ہو سکے اس لئے کہ جہاں دو کلمے مصحف عثمانی میں مقطوع یعنی جداجدا لکھے ہوئے ہیں وہاں اول کلمے پر وقف کرنا جائز ہے **و کذا الابتداء بالثانیة** (اسی طرح دوسرے سے ابتدا کرنا) بخلاف موصول کے کہ اس میں پہلے کلمہ پر وقف نہیں کر سکتے ہیں بلکہ دوسرے کلمہ پر وقف کریں گے۔اور حضرت مصنفؒ نے جو مقطوع کو اولاً ذکر کیا ہے وہ اس لئے کہ کلمات کی رسم خط میں اصل یہی ہے کہ وہ مقطوع لکھے جائیں۔

﴿قولہ﴾: **وَتَا۔ بالقصر وهو المجرور للعطف علی مثله فیما قبله۔**

یعنی جس طرح کہ مقطوع وموصول کی رسم خط کا پہچاننا ضروری ہے اسی طرح تاء تانیث کا بھی جاننا ضروری ہے تاکہ بحالت اضطرار والاختبار والتعلیم تاء مجرورہ ومطولہ پر تاء کے ساتھ اور مدورہ ومربوطہ پر ہاء کے ساتھ وقف کر سکیں۔

حضرت مصنفؒ نے تاء مجرورہ کو بیان فرمایا ہے نہ کہ تاء مدورہ کو کیونکہ قرآن عزیز میں بہ نسبت تاء مدورہ کے تاء مجرورہ کم ہے دوسرے یہ کہ تاء مجرورہ باعتبار وقف کے مختلف فیہ ہے چنانچہ امام ابن کثیرؒ وامام ابوعمرو بصریؒ وامام کسائیؒ نے اس پر ہاء کے ساتھ وقف کیا ہے مگر اس جگہ کہ جہاں مفرد وجمع میں اختلاف ہے اور انہوں نے اس کو جمع سے پڑھا ہے وہاں یہ مثل باقی قراء کے تاء کے ساتھ وقف کرتے ہیں۔وقف بالہا قریش اور فصحاء عرب میں سے ایک جماعت کی لغت ہے اور وقف بالتاء لغت طے ہے۔واللہ اعلم

اب اس کے بعد حضرت مصنفؒ ان کلمات کو بیان فرماتے ہیں کہ جو مصحف عثمانی میں مقطوع یا موصول یا مختلف فیہا ہیں۔

(80)

فَاقْطَعْ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ اَنْ لَّا
مَعْ مَلْجَأٍ وَّلَآ اِلٰهَ اِلَّا

ت: ''پس قطع کر دو دس کلمات میں اَنْ کو لَا سے اس حالت میں کہ وہ مَلْجَا اور لَا اِلٰهَ اِلَّا کے ساتھ مقارن ہو۔''

ش: ﴿قولہ﴾: فَاقْطَعْ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ الخ یعنی دس کلمات مصحف عثمانی میں ایسے ہیں کہ ان میں اَنْ ناصبہ لَا نافیہ سے علیحدہ لکھا ہوا ہے۔ ایک سورۂ توبہ کے اَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ میں دوسرا ہود کے اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں۔

(81)

وَتَعْبُدُوْا يٰسِيْنَ ثَانِيْ هُوْدَ لَا
يُشْرِكْنَ تُشْرِكْ يَدْخُلَنْ تَعْلُوْا عَلٰى

ت: ''اور اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا سورۂ یٰسین میں اور (اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا) سورہ ہود میں اور اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ اور اَنْ لَّا تُشْرِكْ اور اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا اور اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلٰى میں۔''

ش: ﴿قولہ﴾: وَتَعْبُدُوْا الخ یعنی تیسرا وہ اَنْ لَّا ہے کہ جو سورۂ یٰسین میں تَعْبُدُوْا کے ساتھ آیا ہے یعنی اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اور چوتھا کہ جو سورہ ہود میں دوسری جگہ ہے اور مراد اس سے اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ہے بخلاف اول کے کہ وہ موصول ہے اور ﴿قولہ﴾ لَا اس کا تعلق يُشْرِكْنَ سے ہے یعنی پانچواں وہ اَنْ لَّا کہ جو سورہ ممتحنہ میں اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا ہے۔ چھٹا اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا ہے جو سورۂ حج میں ہے۔ ساتواں اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ سورہ نٓ میں۔ آٹھواں اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ سورہ دخان میں ہے۔ پس ان تمام میں اَنْ — لَا سے مقطوع مرسوم ہے۔

(82) اَن لَّا یَقُولُوا لَآ اَقُولَ اِنْ مَّا
بِالرَّعْدِ وَالْمَفْتُوحَ صِلْ وَ عَنْ مَّا

(83) نُهُوا اقْطَعُوا مِنْ مَّا بِرُومٍ وَّالنِّسَا
خُلْفُ الْمُنَافِقِينَ اَمْ مَّنْ اَسَّسَا

ت: "اور اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا اور اَنْ لَّآ اَقُوْلَ میں اور اسی طرح قطع کرو اِنْ شرطیہ کو مَا موکدہ سے سورۂ رعد میں اور اَمْ مفتوحہ کا مَا کے ساتھ وصل کرو اور عَنْ کو مَا سے عَنْ مَّا نُهُوْا میں قطع کرو۔ اسی طرح مِنْ کو مَا سے سورہ روم اور سورہ نساء میں قطع کرو اور سورہ منافقین (کے مِنْ مَا) میں اختلاف ہے اور قطع کرو اَمْ کو مَنْ استفہامیہ سے اَمْ مَّنْ اَسَّسَ میں۔"

ش: ﴿قولہ﴾: اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا الخ یعنی نواں وہ اَنْ لَّا ہے کہ جو سورۂ اعراف میں اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ہے اور دسواں اسی سورۂ میں اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ہے ان دس جگہ کے علاوہ باقی ہر جگہ اَنْ - لَا سے موصول ہے یعنی اس کا نون غیر مرسوم ہے لکھا ہوا نہیں ہے جیسے اَلَّا تَزِرُوَا زِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ لیکن سورۂ انبیاء میں جو اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰـنَكَ ہے اس کے وصل و قطع میں اختلاف ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا ادراج قول سابق لَا اِلٰـهَ اِلَّا کے عموم کے تحت میں ہو، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شاید شیخ (علامہ جزریؒ) کے نزدیک مختار موصول ہے نہ کہ مقطوع۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾: اِنْ مَّا بِالرَّعْدِ یعنی اسی طرح جمیع قراء اِنْ شرطیہ کے مَا موکدہ سے قطع کرنے پر متفق ہیں اور یہ صرف ایک جگہ سورہ رعد میں ہے وَاِنْ مَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اسکے علاوہ سب جگہ موصول ہے جیسے وَ اِمَّا تَخَافَنَّ (انفال) فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا (مریم) وغیرہ۔

﴿قولہ﴾: وَالْمَفْتُوْحَ صِلْ یعنی اَمَّا بفتح الھمزہ کہ جس کی اصل اَمْ ہے نہ کہ اَنْ

مفتوحہ جیسا کہ بعض شراح ارجوزہ کو ظاہر عبارت کے سیاق پر نظر کرتے ہوئے اس کا وہم ہوا ہے قرآن شریف میں جہاں کہیں بھی واقع ہو مَا اسمیہ سے وصل کرو جیسے اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ (انعام) اَمَّا ذَا كُنْتُمْ (نحل) وغیرہما۔

﴿قولہ﴾: عَنْ مَّا یعنی باتفاق مصاحف عَنْ کو مَا سے صرف ایک جگہ عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ سورہ اعراف میں قطع کرو اس کے علاوہ باقی سب جگہ موصول ہے جیسے عَمَّا تَعْلَمُوْنَ وغیرہ۔

﴿قولہ﴾: مِنْ مَّا بِرُوْمٍ یعنی اسی طرح مِن جارہ کو مَا موصولہ سے دو جگہ قطع کرو ایک سورہ روم میں مِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ دوسرا سورۂ نساء میں فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيَاتِكُمْ اور سورۂ منافقون میں جو مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ ہے اس میں اختلاف ہے، بعض مصاحف میں مقطوع اور بعض میں موصول مرسوم ہے۔

﴿قولہ﴾: اَمْ مَّنْ اَسَّسَ یعنی اَمْ کو مَنْ استفہامیہ سے باتفاق جمیع قراء چار جگہ قطع کرو ایک سورۂ توبہ میں اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ باقی تین اگلے بیت میں مذکور ہیں۔

(84)

فُصِّلَتِ النِّسَا وَ ذِبْحٍ حَيْثُ مَا
وَ اَنْ لَّمِ الْمَفْتُوْحَ كَسْرَ اِنَّ مَا

ت: ”سورۂ فصلت اور سورۂ نساء اور سورۂ والصافات میں اور قطع کرو حَيْثُ کو مَا سے اور اَنْ مفتوحہ کو لَمْ سے اور اِنَّ مکسورہ کو مَا موصولہ سے۔“

ش: ﴿قولہ﴾: فُصِّلَتِ الخ یعنی دوسرا اَمْ ـ مَنْ مقطوع وہ ہے جو سورۂ فصلت میں اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْ اٰمِنًا ہے اور تیسرا سورۂ نساء میں اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا اور چوتھا سورۂ ذبح یعنی والصافات میں اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ہے اور چونکہ اس سورۂ میں وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ آیا ہے اس لئے حضرت ناظمؒ نے اس کو لفظ ذِبْحٍ سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جمیع قراء متفق ہیں حَیۡثُ کے مَا سے قطع پر کہ جو دو جگہ سورۂ بقرہ میں آیا ہے ایک وَحَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ دوسرا وَحَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ شَطۡرَهٗ لِئَلَّا۔

﴿قولہ﴾: اَنۡ لَّمۡ المفتوح بنصب المفتوح على انه مفعول تقديره واقطعوا ان لم المفتوح همزته وهو ان المصدرية عن لم الجازمة اينما وقعت لاطلاق حكمه۔

یعنی اَنۡ مصدریہ بفتح الہمزہ کو لَمۡ جازمہ سے جہاں کہیں بھی آئے قطع کرو جیسے ذٰلِكَ اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ سورۂ انعام میں اور اَيَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ يَرَهٗۤ اَحَدٌ سورۂ بلد میں۔

﴿قولہ﴾: كَسۡرَ اِنَّ مَا منصوب ايضًا على المفعولية اى اقطعوا ان المكسورة عن ما الموصولة۔

یعنی اِنَّ مکسورہ کو مَا موصولہ سے صرف ایک جگہ سورہ انعام میں قطع کرو جیسے اِنَّ مَا تُوۡعَدُوۡنَ لَاٰتٍ اسی لئے حضرت ناظمؒ نے کہا ہے اَلۡاَنۡعَامَ اور یہ اگلے بیت میں ہے:

(85) اَلۡاَنۡعَامَ وَالۡمَفۡتُوۡحَ يَدۡعُوۡنَ مَعَا
وَخُلۡفُ الۡاَنۡفَالِ وَنَحۡلٍ وَّقَعَا

ت: ”سورۂ انعام میں اور قطع کرو اَنَّ بفتح الہمزہ کو مَا سے اَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ جو دو جگہ (سورۂ حج ولقمان میں) ہے اور سورۂ انفال ونحل کے اَنَّ مَا کی رسم خط میں اختلاف واقع ہے۔“

ش: ﴿قولہ﴾: وَخُلۡفُ الۡاَنۡفَالِ بالنقل وَنَحۡلٍ وَقَعَا بالف الاطلاق نظرا الى افراد لفظ خلف او بالف التثنية نظرا الى وقوع الخلف فى السورتين والتقدير وخلف ما فيهما وقع فى رسوم المصاحف و هو

بمنزلة الاستثناء من مفهوم کلامه السابق لفا ونشرا مشوشا من ان المکسورة والمفتوح مع ما. (قاریؒ)

حاصل یہ ہے کہ اِنَّ مَا مکسورہ جو سورۂ نحل میں واقع ہے اس کے وصل وقطع میں قراء کا اختلاف ہے اور وہ اِنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ہے لیکن اس میں زیادہ تر وصل ثابت ہے، کمافی عقیلۃ اتراب القصائد اور باقی بالاتفاق موصول ہے جیسے اِنَّما تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وغیرہ۔

اسی طرح اس اَنَّ مَا بفتح الہمزہ کے وصل وقطع میں قراء کا اختلاف ہے جو سورۂ انفال میں وَاعْلَمُوْآ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ ہے، اس میں بھی ثبوت وصل اکثر ہے۔ کمافی عقیلۃ اتراب القصائد، باقی اس کے ماسوا کے وصل پر قراء کا اتفاق ہے جیسے فَاعْلَمُوْآ اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ وغیرہ۔

(86) وَكُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاخْتُلِفْ
رُدُّوْا كَذَا قُلْ بِئْسَ مَا وَالْوَصْلَ صِفْ

ت: ”اور قطع کرو كُلِّ کو مَا سے مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (سورۂ ابراہیم) میں اور اختلاف کیا گیا ہے كُلَّ مَا رُدُّوْا کے وصل وقطع میں اسی طرح قُلْ بِئْسَمَا میں اور وصل بیان کرو (بِئْسَ کا مَا سے سورۂ اعراف کے)“

(87) خَلَفْتُمُوْنِيْ وَاشْتَرَوْا فِيْ مَا اقْطَعَا
اُوْحِيْ اَفَضْتُمْ اشْتَهَتْ يَبْلُوْا مَعَا

ت: ” (بِئْسَمَا) خَلَفْتُمُوْنِيْ میں اور بِئْسَمَا اشْتَرَوْا (بقرہ) میں اور فِيْ کو مَا سے قطع کرو فِيْ مَآ اُوْحِيَ (انعام) اور فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ (نور) اور فِيْ مَا اشْتَهَتْ (انبیاء) اور يَبْلُوْا فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ میں جو دو جگہ (سورۂ مائدہ وانعام میں) واقع ہے۔“

ش: ﴿قولہ﴾ وَاخْتُلِفْ یعنی ارباب رسوم کا کُلَّ مَا رُدُّوْٓا اِلَی الْفِتْنَۃِ جو سورۂ نساء میں ہے اس کے وصل و قطع میں اختلاف ہے اسی طرح کُلَّ مَا دَخَلَتْ اُمَّۃٌ (اعراف) اور کُلَّ مَا جَآءَ اُمَّۃٌ (مومنون) اور کُلَّ مَآ اُلْقِیَ (ملک) میں بھی اختلاف ہے جیسا کہ علامہ ابوعمرو دانیؒ نے کتاب مقنع میں اس کی تصریح کی ہے۔

اب رہا یہ کہ حضرت مصنفؒ نے ان ہر سہ مقام کے اختلاف کو جب کہ ان کی عبارت سے مفہوم نہیں ہوتا ہے کیوں نہیں بیان کیا سو اس کے متعلق ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ففی ھذا قصور من الناظم للكلام عن مقام المرام حتى قال ابن المصنف وعبارة الناظم لا تفهم الخلاف الى هذه الثلاثة واما قول الرومي ولعله سكت عنها اكتفاء بذكرو احد منها ولا شتها رما عداه عندهم فعذربا رد و عن خطور الفهم شارد فنظمت فقلت شعرا.

وجـــاء امة والـــقـــى دخـــلـــت   فی وصلها وقطعها واختلفت

''باقی ان پانچ مقام کے علاوہ ہر جگہ باتفاق موصول ہے جیسے اَفَكُلَّمَا جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ وغیرہ۔''

(88) ثَــانِــیْ فَــعَــلْــنَ وَقَــعَــتْ رُوْمٍ كِلَا
تَــنْــزِيْــلِ شُــعَــرَا وَغَــيْــرَهَــا صِلَا

ت: ''(اور قطع کرو) فِیْ کو مَا سے (سورۂ بقرہ کے) ثانی فَعَلْنَ یعنی فِیْ مَا فَعَلْنَ میں بخلاف اول کے کہ وہ موصول ہے۔''

اور سورۂ واقعہ (کے وَنُنْشِئَكُمْ فِیْ مَالَا تَعْلَمُوْنَ) میں اور سورۂ روم (کے فِیْ مَارَزَقْنٰكُمْ) میں اور دو (جگہ) سورۂ تنزیل یعنی سورۂ زمر (کے فِیْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اور فِیْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ) میں (چنانچہ كِلَا تَنْزِيْلِ سے ان ہی دو کی طرف اشارہ

ہے) اور سورۂ شعراء (کے فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ) میں اور اس کے غیر میں وصل کرو۔

ش: ﴿قولہ﴾: وَغَیْرَهَا اس کی ضمیر کا مرجع سورۂ شعراء ہے کیونکہ یہ مذکور سے اقرب اور علامہ شاطبی کے قول کے موافق ہے۔ کما صرح فی ﴿قولہ﴾ "وفی سوی الشعراء بالوصل بعضهم" اور بعض نسخوں میں وَغَیْرَ ذِیْ صِلًا اور وَغَیْرَهٗ صِلًا بالتذکیر ہے۔ پس اس وقت ضمیر لفظ شعراء کی طرف راجع ہوگی اس واسطے کہ اس کے قطع میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ماسوا مذکورات کے وصل میں کوئی اختلاف نہیں ہے عام اس سے کہ مَا خبریہ ہو یا استفہامیہ جیسے فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ بِالْمَعْرُوْفِ اول سورۂ بقرہ میں کما فهم من قید ثانی البقرۃ۔

خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ شعرا میں جو فِیْ مَا ہے وہ بالاتفاق مقطوع ہے کما صرح بہ المصنفؒ۔ اور جو باقی اس کے علاوہ ہیں ان تمام مذکورات کے فِیْ مَا کے وصل و قطع میں اختلاف ہے اور حضرت ناظمؒ نے جو اولاً فِیْ کو مَا سے قطع کرنے کا حکم فرمایا اور پھر آخر میں ان کے وصل کو جائز رکھا ہے وہ اس لئے کہ قطع اولیٰ ہے کیونکہ یہ لفظ کی رسم خط میں اصل ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ فتأمل فانہ موضع زلل' واللہ اعلم

(89) فَاَیْنَمَا کَالنَّحْلِ صِلْ وَمُخْتَلِفْ
فِی الشُّعَرَا الْاَحْزَابِ وَالنِّسَآ وُصِفْ

ت: "لفظ اَیْنَ کا مَا کے ساتھ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (بقرہ) میں مثل اس اَیْنَمَا کے جو سورۂ نحل میں (اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ) ہے وصل کرو اور اس کی رسم مختلف ہے سورۂ شعراء (کے اَیْنَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ) میں اور سورۂ احزاب (کے اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا) میں اور سورۂ نساء (کے اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ) میں اور ان تینوں سورتوں میں اختلاف بیان کیا گیا ہے۔

ش: ﴿قولہ﴾: فَاَیْنَمَا کَالنَّحْلِ – ای صل بالبقرۃ کو صلک بالنحل پس فَاَیْنَمَا کا سورۂ بقرہ میں ہونا اس کی فاء سے سمجھا گیا ہے کیونکہ فَاَیْنَمَا بالفاء سوائے سورۂ بقرہ کے دوسری جگہ نہیں آیا ہے۔

﴿قولہ﴾: وَمُخْتَلِفْ اسم فاعل کا صیغہ ہے والتقدیر مختلف رسمہ والرسم مختلف اور

﴿قولہ﴾: وُصِفْ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور یہ جملہ مستانفہ ہے ای وصف الاختلاف فی السور الثلاثۃ خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ شعراء و سورۂ احزاب و سورۂ نساء میں جو اَیْنَمَا آیا ہے اس کے وصل و قطع میں اختلاف ہے لیکن اکثر مصاحف میں اَیْنَ – مَا سے مقطوع آیا ہے کما ذکرہ الشراح اور کتاب رائیہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سورۂ شعرا اور سورۂ احزاب میں وصل و قطع دونوں برابر ہیں اور سورۂ نساء میں وصل قلیل ہے۔ واللہ اعلم

باقی اس کے علاوہ اَیْنَ مَا سب جگہ باتفاق مقطوع ہے جیسے فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا اور اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ وغیرہ۔

(90) وَصِلْ فَاِلَّمْ هُوْدَ اَلَّنْ نَجْعَلَا
نَجْمَعَ كَيْلَا تَحْزَنُوْا تَاْسَوْا عَلٰى

ت: ''اور وصل کر اِنْ شرطیہ کا لَمْ کے ساتھ سورہ ہود (کے فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ) میں اور اَنْ مصدریہ کا لَنْ ناصبہ سے اَلَّنْ نَّجْعَلَ (کہف) میں اور اَلَّنْ نَّجْمَعَ (قیامہ) میں اور کَیْ کا لَا کے ساتھ کَیْلَا تَحْزَنُوْا (آل عمران) میں اور کَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی (حدید) میں۔

(91) حَجٌّ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَّقَطْعُهُمْ
عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ مَنْ تَوَلّٰى يَوْمَ هُمْ

ت: ''اور سورہ حج (کے لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا) میں اور لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ' (احزاب) میں قطع کرنا ارباب رسوم کا عَنْ کو مَنْ سے عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ (نور) میں اور عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى (نجم) اور يَوْمَ کا هُمْ سے يَوْمَ هُمْ میں ثابت ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾: يَوْمَ هُمْ یعنی يَوْمَ- هُمْ سے جو محلاً مرفوع ہو باتفاق مصاحف مقطوع ہے اور یہ دو جگہ ہے ایک يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ سورۂ مومن میں دوسرا يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ سورہ ذاریات میں۔ ان دونوں جگہ میں اس کے مقطوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر هُمْ مرفوع بابتدا منفصل ہوتی ہے لہٰذا اس کے مناسب فصل ہے کیونکہ یہ اصل ہے اور وہ يَوْمَ هُمْ کہ جو محلاً مجرور ہے وہ باتفاق مصاحف موصول ہے' جیسے مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ وغیرہ اور وجہ اس کے موصول ہونے کی یہ ہے کہ مجرور حکم میں متصل کے ہوتا ہے پس اس کے لئے وصل ہی مناسب ہے۔ واللہ اعلم

(92)

وَمَـــالِ هٰـــذَا وَالَّـــذِيْـــنَ هٰـــؤُلَا
تَـــحِيْـــنَ فِـــى الْإِمَـــامِ صِـــلْ وَوُهِّلَا

ت: ''اور اسی طرح قطع کرنا اہل رسم کا ثابت ہے لام جارہ کو اس کے مجرور سے مَــالِ هٰـذَا الْكِتَابِ (سورۂ کہف میں اور مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ سورۂ فرقان) میں اور فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (معارج) میں اور فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ (نساء) میں اور تَحِيْنَ کی تاء کا حِيْنَ کے ساتھ (وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ سورۂ صاد میں) جیسا کہ وہ مصحف امام میں ہے وصل کرو اور اس قول کے قائل کی تغلیط کی گئی ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾: وُهِّلَا- بـالف الاطـلاق و بـضـم الـواو وتـشـديـد هـا مكسـور اى ضعف وغلط قائله و انسب الى الوهل والوهم ناقله اور اکثر

نسخوں میں وَقِيْلَ لَا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ تاء کا حین کے ساتھ وصل نہ کرو بلکہ قطع کرو، لیکن قِيْلَ سے تعبیر کرنا مشعر الی التضعیف ہے اور یہ جمہور کے خلاف ہے لہٰذا صحیح وُهِّلَا ہی ہے اور یہی مختار شیخ زکریاؒ اور اسی پر اعتماد ہے، پس تَـاء، حِيْنَ سے علیحدہ اس طرح لکھی جائے گی۔ وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ نہ کہ اس طرح وَلَا تَحِيْنَ واللہ اعلم

(93) • كَـالُـوْهُـمْ اَوْ وَّ زَنُـوْهُـمْ صِـلِ
كَـذَا مِـنَ الْ وَهَـا وَ يَـا لَا تَـفْـصِـلِ

ت: ''اور اَوْ وَّ زَنُوْ اور كَالُوْ کا هُمْ کے ساتھ وصل کرو اسی طرح اَلْ اور يَا اور هَاء کو ان کے مدخول سے جدا مت کرو۔''

ش: ﴿قولہ﴾: اَوْ وَّ زَنُوْهُمْ الخ یعنی سورہ مطففین میں جو كَالُوْهُمْ اَوْوَّزَنُوْ هُمْ ہے اس میں كَالُوْ اور اَوْوَّزَنُوْ ضمیر هُمْ کے ساتھ حکماً موصول ہے کیونکہ ارباب رسوم نے ان دونوں میں واو جمع کے بعد الف نہیں لکھا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ واو غیر منفصلہ ہے اور ضمیر هُمْ کے ساتھ موصول ہے بخلاف وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (شوریٰ) کے کہ یہاں واو کے بعد الف لکھا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقطوع ہے، موصول نہیں ہے۔ پس یہاں غَضِبُوْا پر وقف کرنا درست ہے، اور اَوْوَّزَنُوْ هُمْ وَكَالُوْهُمْ پر بلا هُمْ کے وقف کرنا مذہب مختار کی بنا پر صحیح نہیں ہے اور یہی حکم رَزَقْنَا هُمْ واَعْطَيْنَاكَ و اَنْزَلْنَاهُ وَاَنُلْزِمُكُمُوْهَا و اَوْ رِثْتُمُوْهَا وامثال ذلک کا ہے۔ واللہ اعلم

﴿قولہ﴾: كَـذَا یعنی اسی طرح الف لام تعریف اور ہاء تنبیہ اور یاء ندا پر بغیر اس لفظ کے کہ جس پر یہ داخل ہوں وقف کرنا جیسا کہ بعض جاہل کر دیتے ہیں جائز نہیں ہے جیسے اَلْحَمْدُ۔ هٰٓاَنْتُمْ ـ يَـآ اٰدَمُ وغیرہ۔

بَابُ هَآءِ التَّانِيْثِ الَّتِي رُسِمَتْ تَآءً

تاءِ تانیث کے رسم کا بیان

(94) وَ رَحْمَتُ الزُّخْرُفِ بِالتَّا زَبَرَهْ
الْاَعْرَافِ رُوْمٍ هُوْدَ كَافَ الْبَقَرَهْ

ت: ''اورلفظ رَحْمَتُ کو اہل رسم نے سورۂ زخرف اور سورۂ اعراف اور سورۂ روم اور سورہ ہود اور سورہ مریم اور سورہ بقرہ میں لمبی تاء کے ساتھ لکھا ہے۔

ش: ﴿قوله﴾: وَرَحْمَتُ الزُّخْرُفِ الخ برفع رحمت ونصبها اى رسم عثمانؓ او كتب اهل الرسم بالتاء المجرورة لفظ رحمت في سورة الزخرف وكذا فى الاعراف الخ بحذف العاطف فى الكل للوزن و بالنقل والاكتفاء بحركة اللام عن همزة الوصل فىٓ الاعراف وضبط هود و كاف بالفتح لانهما اسما سورتين۔

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ رَحْمَتِ بتا مجرورہ صرف سات جگہ مرسوم ہے۔ دو جگہ سورہ زخرف میں اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ اور وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ اور یہ عموم اطلاق ناظم اور اضافت جنسیہ سے سمجھا گیا ہے۔ تیسرے سورۂ اعراف میں اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ چوتھے سورۂ روم میں فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ پانچویں سورۂ ہود میں وَرَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ چھٹے سورۂ مریم میں کہ جس کی طرف کاف سے اشارہ ہے ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا۔ ساتویں سورہ بقرہ میں اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ان کے علاوہ سب جگہ تاءِ مدورہ یعنی گول تاء کے ساتھ مرسوم ہے جیسے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ وغیرہ۔

(95)
نِـعْـمَتُهَـا ثَـلٰـثُ نَـحْـلٍ اِبْـرَهَـمْ
مَـعًـا اَخِيْـرَاتٌ عُـقُـوْدُ الثَّـانِ هَـمْ

ت: ''اورلفظ نِـعْـمَـتْ اسی سورہ بقرہ میں اور تین سورہ نحل میں اور دو سورۂ ابراہیم میں کہ جوا خیر کے ہیں اور سورۂ عقود یعنی مائدہ میں دوسرا (لفظ نِعْمَتْ) جو هَمَّ کے ساتھ آیا ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾: نِعْمَتُهَا الخ یعنی لفظ گیارہ مقام میں لمبی تاء کے ساتھ مرسوم ہے۔ایک سورہ بقرہ میں وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ دوسرا و تیسرا و چوتھا یعنی تین سورۂ نحل کے آخر ایک وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ۔دوسرا يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ تیسرا وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ پانچواں و چھٹا یعنی دو سورہ ابراہیم کے آخری میں ایک بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا دوسرا وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا بخلاف اوائل نحل واول سورہ ابراہیم کے کہ اس میں لفظ نِـعْـمَـتْ گول تاء کے ساتھ لکھا ہوا ہے جیسے اول نحل میں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اور اول سورۂ ابراہیم میں اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ساتواں لفظ نِـعْـمَـتْ جو لمبی تاء کے ساتھ مرسوم ہے سورۂ مائدہ کا دوسرا ہے کہ جو هَمَّ کے ساتھ واقع ہے یعنی اُذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْهَمَّ قَوْمٌ باقی چار اگلے بیت میں مذکور ہیں۔

(96)
لُـقْـمٰـنَ ثُـمَّ فَـاطِـرٌ كَـالـطُّـوْرِ
عِـمْـرٰنَ لَـعْـنَـتَ بِهَـا وَالـنُّـوْرِ

ت: ''(آٹھواں) سورۂ لقمان میں فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ (نواں) سورۂ فاطر میں اُذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ (دسواں) سورۂ طور میں فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ۔ (گیارہواں) سورۂ آل عمران میں

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً۔ (باقی ان مواضع مذکورہ کے علاوہ سب جگہ لفظ نِعْمَتُ گول تاء سے ہے) اور لفظ لَعْنَتُ اسی سورۂ آل عمران میں اور سورۂ نور میں لمبی تاء سے مرسوم ہے۔"

ش: ﴿قولہ﴾: لَعْنَتَ بِهَا یعنی لفظ صرف دو جگہ لمبی تاء سے ہے اور باقی گول تاء سے ہے وہ دو جگہ یہ ہیں ایک سورہ آل عمران میں فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ دوسرا سورہ نور میں وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

(97) وَ امْرَأَتٌ يُّوْسُفَ عِمْرٰنَ الْقَصَصْ
تَحْرِيْمَ مَعْصِيَتْ بِقَدْ سَمِعْ يُخَصْ

ت: "اور لفظ اِمْرَأَتُ جو سورۂ یوسف میں (اِمْرَأَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ اور قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيْزِ الْاٰنَ) اور سورۂ آل عمران میں (اِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ) اور سورۂ قصص میں (وَ قَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ) اور (تین جگہ) سورۂ تحریم میں (اِمْرَأَتُ نُوْحٍ وَّامْرَأَتَ لُوْطٍ– امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ) بتاء مجرورہ مرسوم ہے اور لفظ مَعْصِيَتُ (بتاء مجرورہ) قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ کے ساتھ مخصوص ہے۔"

ش: یعنی مَعْصِيَتُ صرف سورہ مجادلہ میں دو جگہ لمبی تاء کے ساتھ آیا ہے ایک وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ دوسرا فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ان دو کے علاوہ تیسرا قرآن عزیز میں نہیں آیا ہے۔

فائدہ: یاد رکھو کہ لفظ اِمْرَأَتُ جہاں کہیں اپنے زوج کے ساتھ مذکور ہوگا وہاں دراز اور لمبی تاء کے ساتھ مرسوم ہوگا اور باقی اس کے علاوہ گول تاء سے جیسے اِمْرَأَةٌ خَافَتْ وغیرہ۔

(98)

شَجَرَتَ الدُّخَانِ سُنَّتْ فَاطِرِ
كُلًّا وَّالْاَنْفَالِ وَاُخْرٰى غَافِرِ

ت: ''اور لفظ شَجَرَتْ جو سورۂ دخان میں (اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ) ہے مرسوم بتاء مطولہ ہے (لمبی تاء کے ساتھ) (باقی اس کے علاوہ گول تاء سے ہے جیسے اِنَّهَا شَجَرَةٌ) اسی طرح لفظ سُنَّتْ سورۂ فاطر میں (اور یہ تین جگہ ہے ایک اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ دوسرا فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ تیسرا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا چنانچہ كُلًّا سے ان ہی تینوں کی طرف اشارہ ہے) اور سورۂ انفال میں (فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ) اور سورۂ غافر یعنی مومن کے آخر میں (سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُوْنَ) لمبی تاء کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔''

(99)

قُرَّتُ عَيْنٍ جَنَّتٌ فِيْ وَقَعَتْ
فِطْرَتْ بَقِيَّتْ وَابْنَتٌ وَّكَلِمَتْ

ت: ''اور لفظ قُرَّتْ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ (قصص) اور لفظ جَنَّتْ سورۂ واقعہ میں یعنی جَنَّتُ نَعِيْمٍ اور لفظ فِطْرَتْ (فِطْرَتَ اللّٰهِ سورۂ روم میں) اور بَقِيَّتْ (بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ سورۂ ہود میں) اور۔ ابْنَتْ (وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ سورۂ تحریم میں) اور كَلِمَتْ (یعنی وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى کہ جو وسط اعراف میں ہے اور جس کی طرف خود حضرت مصنفؒ نے اگلے بیت میں اشارہ فرمایا ہے یہ سب لمبی تاء کے ساتھ مرسوم ہیں ان کے ماسوا سب گول تاء سے ہیں)''

(100)

اَوْسَطَ الْاَعْرَافِ وَكُلُّ مَا اخْتُلِفْ
جَمْعًا وَّفَرْدًا فِيْهِ بِالتَّآءِ عُرِفْ

ت: ''اور لفظ كَلِمَتُ جو اوپر مذکور ہوا ہے وسط اعراف میں ہے اور ہر وہ لفظ کہ جس میں جمع اور مفرد کا اختلاف ہو یعنی بعض نے اس کو جمع کے ساتھ پڑھا ہو اور بعض نے مفرد تو وہ مصاحف عثمانی میں لمبی تاء کے ساتھ پہچانا گیا ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾: وَكُلُّ مَا اخْتُلِفُ الخ یہاں سے حضرت ناظمؒ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر وہ کلمہ کہ جس میں تاء تانیث ہو اور اس کے مفرد و جمع پڑھنے میں قراء کا اختلاف ہو تو وہ بتاء مجرورہ لکھا جائے گا اور اس کی رسم خط قرآن عزیز میں لمبی تاء کے ساتھ ہوگی اور اس قسم کے آٹھ الفاظ ہیں جو بارہ جگہ واقع ہیں۔

(۱) سورہ انعام میں وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا پس امام عاصمؒ اور امام حمزہؒ و امام کسائیؒ نے اس کو مفرد اور باقی قراء نے جمع سے پڑھا ہے۔

(۲) اول سورہ یونس میں وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الَّذِيْنَ فَسَقُوْا امام نافعؒ و امام ابن عامرؒ نے بصیغہ جمع اور باقی نے مفرد پڑھا ہے۔

(۳) اسی سورہ میں دوسری جگہ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ۔

(۴) سورہ مومن میں وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ان دونوں جگہ میں مصاحف مختلف ہیں لیکن قیاس بالتاء ہے کیونکہ ان دونوں جگہ میں امام نافعؒ اور امام ابن عامرؒ کے علاوہ باقی نے مفرد پڑھا ہے' واللہ اعلم

(۵) سورۂ یوسف میں اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ۔ امام ابن کثیرؒ نے مفرد اور باقی نے جمع سے پڑھا ہے۔

(۶۔۷) اسی سورۂ یوسف میں وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ اور اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ امام نافعؒ نے ان دونوں کو جمع سے اور باقی نے مفرد پڑھا ہے۔

(۸) سورۂ عنکبوت میں وَلَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ امام ابن کثیرؒ و امام شعبہؒ اور

امام حمزہؒ وامام کسائیؒ نے مفرد اور باقی نے جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔

(۹) سورۂ سبا میں وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اٰمِنُوْنَ امام حمزہؒ کے علاوہ سب نے جمع سے پڑھا ہے۔

(۱۰) سورۂ فاطر میں فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْهُ۔ امام ابن کثیرؒ وامام ابوعمروؒ وامام حفصؒ وامام حمزہؒ نے مفرد اور باقی نے جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔

(۱۱) سورۂ فصلت میں مِنْ ثَمَرَاتٍ اَكْمَامِهَا امام نافعؒ وامام ابن عامرؒ اور امام حفصؒ نے جمع سے اور باقی نے مفرد پڑھا ہے۔

(۱۲) سورۂ مرسلات میں جِمَالَتٌ صُفْرٌ۔ امام حفصؒ وامام حمزہؒ وامام کسائیؒ نے صورۃً مفرد اور باقی نے جمع سے پڑھا ہے، واللہ اعلم

بَابُ هَمْزِ الْوَصْلِ

ہمزہ وصل کا بیان

(101) وَابْدَاْ بِهَمْزِ الْوَصْلِ مِنْ فِعْلٍ بِضَمْ
اِنْ كَانَ ثَالِثٌ مِّنَ الْفِعْلِ يُضَمْ

ت: "اور ابتدا کرو تم ہمزہ وصل مضمومہ کے ساتھ فعل سے اگر ہو فعل کا تیسرا حرف مضموم۔"

ش: ﴿قولہ﴾: وَابْدَأْ بِهَمْزِ الْوَصْلِ الخ یہاں سے حضرت مصنفؒ فعل امر حاضر کی ہمزہ وصل سے ابتدا کرنے کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ اگر فعل کا تیسرا حرف ضمہ لازمہ کے ساتھ مضموم ہو تو ہمزہ وصلی مضمومہ سے ابتدا کرو جیسے اُنْظُرْ اور اُقْتُلُوْا وغیرہ۔

یہ بھی یاد رکھو کہ ہمزہ اول کلمہ میں یا تو قطعی ہوگا جو وصل اور ابتدا دونوں حالتوں میں ثابت رہتا ہے اور یا وصلی ہوگا جو ابتدا میں ثابت رہتا ہے اور وسط کلام میں حذف ہو جاتا ہے اور چونکہ ہمزہ

قطعی کا وقوع کلام میں اکثر ہے اس لئے حضرت مصنفؒ نے مواضع ہمزہ وصل کا حصر کردیا تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ اس کے سوا سب قطعی ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ **وفیہ بحث لا یخفی والظاھر ان ھمزۃ الوصل اکثر وجود امن ھمزۃ القطع فی الکلام الا ان الضابطۃ فی ھمزۃ الوصل اقرب واظھر فلذا اختار بیانھا۔**

اور یہ تو ظاہر ہے کہ ابتدا متحرک سے ہی ہوسکتی ہے نہ کہ ساکن سے پس اگر کلمہ کا اول متحرک ہے تو وہاں ہمزہ لانے کی کوئی حاجت نہیں ہے اور جو ساکن ہے تو چونکہ ابتدا بالسکون دشوار اور مشکل ہے اس لئے ہمزہ وصل لانے کی حاجت ہوتی ہے اور یہ اسماء اور افعال اور حروف سب میں پائی جاتی ہے مگر مضارع میں تو مطلقاً نہیں اور نہ ماضی ثلاثی ورباعی میں مثل اَکْرَمَ کے البتہ خماسی وسداسی میں آتی ہے جیسے اِنْطَلَقَ و اِسْتَخْرَجَ اور اس کا حکم یہ ہے کہ ماضی معروف میں تو صرف مکسور اور مجہول میں صرف مضموم آئے گا اور امر حاضر میں وہی تفصیل ہے جس کو حضرت ناظمؒ نے ذکر کیا ہے۔

اور فعل امر کے ثالث حرف کے ضمہ لازمہ کے ساتھ مضموم ہونے کی صورت میں جو ہمزہ وصل مضمومہ سے ابتدا کرنے کو فرمایا ہے وہ بوجہ مناسبت عین فعل کے ہے اور ضمہ لازمی کی قید اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ عارضی ہونے کی صورت میں ہمزہ وصل مضموم نہ ہوگا بلکہ مکسور ہوگا۔ جیسے اِمْشُوْا و اِتَّقُوْا وغیرہ۔

اب اس کے بعد حضرت مصنفؒ ہمزہ وصلی مکسورہ سے ابتدا کرنے کا حکم بیان فرماتے ہیں۔

(102) وَاکْسِرْہُ حَالَ الْکَسْرِ وَ الْفَتْحِ وَفِیْ
الْاَسْمَآءِ غَیْرِ اللَّامِ کَسْرُھَا وَ فِیْ

ت: ''اور کسرہ دو ہمزہ میں وصل کو حالت کسرہ وفتحہ میں اور اسماء میں سوائے (ہمزہ) لام تعریف

کے اس (ہمزہ وصل) کا کسرہ تام ہوتا ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَاكْسِرْهُ الخ ای الھمز حال کسر ثالث الفعل او فتحه

اور ﴿قولہ﴾ غَيْرِ یا تو مجرور ہے اس بنا پر کہ وہ اسماء کی صفت ہے یا منصوب بنا بر استثناء ہے۔

﴿قولہ﴾: فِيْ بتشدید الیاء ہے جو وقف کی وجہ سے ساکن ہوگئی ہے یا وہ مخفف ہے

بروزن فعیل بمعنی واف ای تام۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر فعل امر حاضر کا تیسرا حرف مکسور یا مفتوح ہو تو ہمزہ وصل مکسور سے ابتدا کرو جیسے اِضْرِبْ اور اِذْهَبْ وغیرہ۔ اور ان دونوں حالتوں میں ہمزہ وصل کے مکسور پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اول صورت میں جب کہ فعل کا تیسرا حرف مکسور ہو، ہمزہ وصلی کو مکسور پڑھنا مناسبت کی وجہ سے ہے اور ثانی صورت میں جب کہ فعل کا تیسرا حرف مفتوح ہو، ہمزہ وصلی کو مکسور اس وجہ سے پڑھتے ہیں کہ اس کو مکسور پر محمول کر لیا گیا ہے جیسا کہ تثنیہ اور جمع کے اعراب کو حالت نصبی میں جری کے تابع کر دیتے ہیں' دوسرے یہ کہ اگر ہمزہ وصلی مفتوح پڑھی جائے اور اس کو مکسور نہ پڑھیں تو اس صورت میں مضارع متکلم معروف کے ساتھ اور مضموم پڑھنے کی صورت میں مضارع مجہول کے ساتھ التباس لازم آئے گا لہٰذا اس کو مکسور ہی پڑھیں گے۔ واللہ اعلم۔

﴿قولہ﴾: وَفِي الْاَسْمَآءِ یعنی جو اسماء بلا لام تعریف کے ہیں اور ان میں ہمزہ وصلی ہے تو یہ ہمزہ وصلی بھی مکسور پڑھی جائے گی مگر لام تعریف کا ہمزہ باوجود اس کے کہ وہ وصلی ہوتا ہے کہ کثرت دور کی وجہ سے طلباً للتخفیف ہمیشہ مفتوح ہی پڑھا جاتا ہے جیسے اَلْاَرْضِ وغیرہ۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہاں اسماء سے مراد مطلق اسماء نہیں ہیں بلکہ وہ اسماء ہیں کہ جن کے اول میں ہمزہ وصلی مکسورہ موصولہ ہے' اور یہ دس ہیں جن میں سے سات کو حضرت مصنفؒ نے اگلے بیت میں بیان کیا ہے اور تین کو اس وجہ سے کہ وہ کتاب اللہ میں نہیں آئے ہیں نہیں ذکر کیا ہے۔

اور اسمائے قیاسی یعنی ہر وہ مصدر کہ جس کے فعل میں بعد ہمزہ چار یا اس سے زائد حرف ہوں

جیسے افتعال وانفعال و استفعال وغیرہ۔ عام اس سے کہ وہ قرآن مجید میں آئے ہوں یا نہ آئے ہوں ان کا ہمزہ بھی مکسور ہوتا ہے اور اس کا مکسور ہونا فعل کے ہمزہ وصلی کے مکسور ہونے سے قیاساً سمجھا گیا ہے اسی وجہ سے غالباً حضرت مصنفؒ نے بھی ان کو ذکر نہیں کیا ہے۔ واللہ اعلم

(103) اِبْنٍ مَّعَ ابْنَةِ امْرِیءٍ وَّ اثْنَیْنِ
وَ امْرَأَةٍ وَّ اسْمٍ مَّعَ اثْنَتَیْنِ

ت: ''وہ اسماء (جن میں ہمزہ وصلی مکسورہ ہے) اِبْنٍ مع اِبْنَةٍ کے اور اِمْرِیءٍ اور اِثْنَیْنِ اور اِمْرَأَةٍ اور اِسْمٍ مع اِثْنَتَیْنِ کے ہیں۔''

ش: ﴿قولہ﴾: اِبْنٍ الخ بالجر بدل من الاسماء او عطف بیان وھو الاظھر۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ سات اسماء سماعی جو قرآن عزیز میں آئے ہیں ان میں سے ایک اِبْنٍ ہے جیسے عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ دوسرا اِبْنَةٌ جیسے مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ اور اِبْنَتَیْ هَاتَیْنِ تیسرا اِمْرِیءٌ جیسے کُلُّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ اور اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ چوتھا اِثْنَیْنِ جیسے لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ پانچواں اِمْرَأَةٌ جیسے اِمْرَأَتُ عِمْرَانَ، وَ امْرَأَتَ لُوْطٍ چھٹا اِسْمٌ جیسے اِسْمَ رَبِّكَ اور اِسْمُهٗ اَحْمَدُ ساتواں اِثْنَتَیْنِ جیسے فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ۔ پس ان اسماء میں سے جب کسی اسم سے ابتدا کرنا چاہیں تو ہمزہ وصلی مکسورہ سے ابتدا کریں گے۔ واللہ اعلم

بَابُ الرَّوْمِ وَالْإِشْمَامِ

روم اور اشمام کا بیان

(104) وَحَاذِرِ الْوَقْفَ بِكُلِّ الْحَرَكَهْ
إِلَّا إِذَا رُمْتَ فَبَعْضَ الْحَرَكَهْ

ت: ''اور بچاؤ تم وقف کو کل حرکت سے مگر جب کہ قصد کرو تم وقف الروم کا تو بعض حرکت ادا کرو۔''

ش: ﴿قولہ﴾ وَحَاذِرِ الخ امر حاضر کا صیغہ ہے ای احذر الوقف بتمام الحركة كما يفعله جهال القراء۔ یعنی جب تم کسی کلمہ پر وقف کرو تو اس کا خیال رکھو کہ حرکات ثلثہ میں سے کسی حرکت کے ساتھ وقف نہ ہو جیسا کہ بعض ناواقف ایسا کرتے ہیں، بلکہ محض سکون کے ساتھ یا روم و اشمام کے ساتھ وقف کرو۔ لیکن اصل ان میں وقف بالاسکان ہے کیونکہ مقصود وقف سے استراحت ہے اور سلب حرکت تحصیل راحت میں ابلغ ہے، بخلاف روم واشمام کے کہ روم میں کچھ حرکت اور اشمام میں اشارۂ حرکت ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ وقف بالاسکان تینوں حرکتوں میں ہوتا ہے اور روم صرف موقوف علیہ مکسور و مضموم میں اور اشمام صرف موقوف علیہ مضموم میں ہوتا ہے۔

﴿قولہ﴾: اِلَّا – استثناء مفرغ من اعم الاحوال والبعض مضاف الى الحركة وهو مفعول بفعل مقدر اى واحذر الوقف بتمام الحركة فى جميع الاحوال الوقف وانواع حركات الكلمات الموقوف عليها من الرفع والنصب والجرو الضم و الفتح والكسر الا اذا رمت فى الروم فأت ببعض الحركة۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تم کسی کلمہ پر جب کہ وہ مکسور یا مضموم ہو وقف بالروم کرنا چاہو تو اس وقت حرکت کا کچھ حصہ یعنی تہائی حرکت خفی آواز سے ادا کر سکتے ہو اور یہ مفتوح و منصوب میں نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ فتح و نصب اخف الحرکات ہیں اور روم کی حالت میں ان کی تخفیف دشوار ہے چنانچہ حضرت ناظمؒ نے اگلے بیت میں اِلَّا بِفَتْحٍ اَوْ بِنَصْبٍ سے اسی کو بیان فرمایا ہے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ روم واختلاس تبعیض حرکت میں مشترک ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ روم میں ایک تہائی اور اختلاس میں دو تہائی حرکت ادا ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ روم صرف کسرہ اور ضمہ میں بحالت وقف ہوتا ہے بخلاف اختلاس کے کہ وہ وصلاً ووقفاً تینوں حرکتوں میں ہوتا ہے، پس روم خاص ہے اور اختلاس عام ہے۔ واللہ اعلم

(105) اِلَّا بِفَتْحٍ اَوْ بِنَصْبٍ وَّ اَشِمْ
اِشَارَةً م بِالضَّمِّ فِیْ رَفْعٍ وَّضَمْ

ت: ''مگر فتح ونصب کی حالت میں وقف بالروم مت کرو اور وقف بالاشمام کرو ہونٹوں کو ملا کر اشارہ کر کے ضمہ کی طرف حالت رفع اور ضمہ میں۔''

ش: ﴿قولہ﴾: وَاَشِمْ الخ ای قف بالاشمام للاشارۃ الی ضمۃ الحرکۃ من الکلمۃ الموقوف علیھا فی رفع و ضم۔ یعنی جب تم کسی کلمہ کے آخر حرف پر جب کہ وہ مرفوع یا مضموم ہو وقف بالاشمام کرنا چاہو تو اس کو ساکن کر کے فوراً ہونٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کرو اور یہ اس وجہ سے کیا جاتا ہے تا کہ سامع کو موقوف علیہ کے اعراب وحرکات کا پتہ چل جائے لیکن اس کا ضرور خیال رکھو کو اشارہ کرتے ہوئے دونوں ہونٹ بالکل نہ مل جائیں بلکہ ان دونوں کو اس طرح ملاؤ جیسے کہ بُیُوْتٍ کی باء کا ضمہ ادا کرتے وقت ملاتے ہیں یعنی ہونٹوں کے درمیان سے کچھ کھلا ہوا رہے گا۔

اب رہا یہ کہ اشمام فتحہ اور کسرہ میں کیوں نہیں ہوتا ہے ضمہ ورفع میں کیوں ہوتا ہے؟ سو اس کی

وجہ یہ ہے کہ اشمام میں انضمام شفتین ہوتا ہے اور یہ فتحہ وکسرہ میں مشکل اور دشوار ہے نہ کہ ضمہ ورفع میں کما ھو ظاھر علی ذی بصیرۃ۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ اشمام کا اطلاق چار قسم پر ہوتا ہے۔

ایک وہ کہ جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔

دوسرے حرکت اور سکون کے درمیان اخفاء حرکت جیسا کہ لَا تَأْمَنَّا سورۃ یوسف میں ہوتا ہے۔

تیسرے ایک حرف کو دوسرے حرف میں خلط کرنا جیسا کہ صاد کا زاء میں مثل اَلصِّرَاطِ وغیرہ کے۔

چوتھے خلط حرکۃ بالحرکۃ جیسا کہ کسرہ کو ضمہ کے ساتھ خلط کرنا جیسے قِیْلَ وغیرہ میں بروایت ہشام ہوتا ہے۔

تنبیہ: یاد رکھو کہ روم واشمام تاء مدورہ جیسے رَحْمَۃٌ

اور حرکت عارضی ومیم جمع میں نہیں ہوتا ہے اور ھاء ضمیر میں دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ اگر ھاء ضمیر کے ماقبل ضمہ یا کسرہ یا واؤ یا یاء ہو جیسے لَا نُخْلِفُهٗ ـ بِمُزَحْزِحِهٖ ـ عَقَلُوْهُ ـ لَا رَيْبَ فِيْهِ تو اس وقت روم واشمام نہیں کیا جائے گا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر حالت میں خواہ یہ حالت مذکورہ ہو یا وہ خود مضموم اور اس کے ماقبل فتحہ یا الف ہو جیسے لَهٗ و نَادَاهُ وغیرہ روم واشمام کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

خَاتِمَةُ الْكِتَابِ

خاتمہ

(106) وَقَدْ تَقَضّٰى نَظْمِيَ الْمُقَدِّمَهْ
مِنِّيْ لِقَارِئِ الْقُرَانِ تَقْدِمَهْ

ت: ''اور بے شک میری اس مقدمہ کی نظم پوری ہوگئی اور یہ میری جانب سے قاری قرآن کے لئے ہدیہ وتحفہ ہے۔''

ش: ﴿قولہ﴾: وَقَدْ تَقَضّٰى الخ اى وقد انتهى نظمى لهذه المقدمة فى علم تجويد القراءة وهى منى لقارى القران تحفة متقدمة وهدية متصلة۔

یعنی حضرت ناظمؒ فرماتے ہیں کہ اس رسالہ کی نظم جس کا نام مقدمہ ہے اور جو علم تجوید میں ہے اللہ کے فضل وکرم سے پوری ہوگئی اور میری طرف سے قرآن عزیز کے پڑھنے والوں کے لئے یہ ایک تحفہ وہدیہ ہے۔ فجزاه الله خير الجزاء والمثوبة

(107) اَبْيَاتُهَا قَافٌ وَّزَایٌ فِي الْعَدَدْ
مَنْ يُّحْسِنِ التَّجْوِيْدَ يَظْفَرْ بِالرَّشَدْ

ت: ''ابیات اس مقدمہ کے قاف اور زاء ہیں عدد میں۔ پس جس نے تجوید کو اچھی طرح حاصل کیا وہ رشد وہدایت کے ساتھ کامیاب ہوگیا۔''

ش: ﴿قولہ﴾: اَبْيَاتُهَا قَافٌ وَّزَایٌ الخ یعنی اس مقدمہ کے اشعار کی تعداد بحساب ابجد قاف اور زاء کے عدد کے برابر ہیں جو ایک سو سات ہوتے ہیں۔ (ق کے سو اور زاء کے سات) مقدمہ کا متن یہاں تمام ہوا' آگے دعائیہ واختتامیہ اشعار ہیں۔

(108) وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَهَا خِتَامُ
ثُمَّ الصَّلٰوةُ بَعْدُ وَالسَّلَامُ

(109) عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى وَاٰلِهٖ
وَصَحْبِهٖ وَتَابِعِيْ مِنْوَالِهٖ

ت: ''اور جملہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهُ اس مقدمہ کا ختام ہے پھر صلوٰۃ اور اس کے بعد سلام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ جو برگزیدہ ہیں اور آپ ﷺ کی آل پر اور اصحاب پر اور ان لوگوں پر جو آپ ﷺ کے طریقہ پر چلنے والے ہیں۔''

ش: ﴿قولہ﴾: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ حضرت ناظمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مقدمہ کی نظم کو جملہ الحمدللہ پر ختم کیا ہے تاکہ اول و آخر میں اس بہت بڑی نعمت کا شکر یہ ادا ہو جائے اور یہ بابرکت ہو کیونکہ اس کے اول میں بھی الحمدللہ ہے اور آخر میں بھی۔

﴿قولہ﴾: ثُمَّ الصَّلٰوةُ الخ یعنی جس طرح کہ جملہ الحمدللہ اس مقدمہ کا اختتام ہے اسی طرح اس کے بعد صلوٰۃ وسلام علی النبی بھی اس مقدمہ کا اختتام اور اس کا آخر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمين ط
والصّلٰوة والسّلام علٰى رسوله محمّد وآله واصحٰبه اجمعين
برحمتك يا ارحم الرحمين۔

تمت بالخير

الحمد للہ فوائد مرضیہ شرح المقدمۃ الجزریہ مؤلفہ حضرت قاری سلیمان دیوبندیؒ کی تصحیح سے فراغت ہوئی اللہ پاک قبول فرمائے۔ آمین

قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ

۱۴ / شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
مطابق ۳۰ ستمبر ۲۰۰۴ء

قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) کی اپنے قارئین سے

الحمدللہ علم تجوید وقرآءت کے فروغ کے لیے قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) کوشاں ہے ہمارا مقصد معیاری، دیدہ زیب اور اعلیٰ طباعت کی حامل کتب شائقین تک پہنچانا ہے۔ اگر آپ کے شہر یا علاقے میں آپ کو ہماری کتابیں بآسانی دستیاب نہیں ہو پا رہی ہیں تو براہ راست بلاتکلف ہم سے بذریعہ خط یا فون رابطہ کریں۔

ہم آپ کو انشاء اللہ فوری طور پر کتب فراہم کریں گے۔

نوٹ: فہرست کتب صرف چار روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر منگوائیں۔

28- الفضل مارکیٹ 17- اردو بازار لاہور
Ph.: 042 - 7122423
0300 - 4785910